بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مسلسل اشاعت کے چالیس سال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

479
جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ
جولائی 2005ء

ماہنامہ الحق

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے ایک عظیم علمی و تحقیقی تحفہ

جامعہ حقانیہ کے جید علمأ کرام مفتیان عظام کی نصف صدی کی کاوشوں کا شاہکار

فتاوٰی حقانیہ

تین ہزار چھ سو صفحات **چھ جلدوں میں**

فتاوٰی اور فقہ کی دنیا میں ایک مبارک اور دلاویز اضافہ یعنی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فتاوٰی جو کہ ہزاروں مسائل، فقہی جزئیات، علمی تحقیقات اور دیگر بے شمار خصائص و نوادرات پر مشتمل ہے گزشتہ سال محرم الحرام میں منظر عام پر آیا، اللہ تعالیٰ نے اسکو اتنی شرف قبولیت نواز کہ پہلا اور دوسرا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ۷۔۸ ماہ میں کی قلیل مدت میں ختم ہو چکا ہے اب

الحمدللہ

سہ بارہ بیروت سٹائل میں شائع ہو چکا ہے

اعلیٰ ترین کاغذ و طباعت و ڈائی دار جلد بندی

اسلئے تمام حضرات کو اطلاع ہے کہ پہلے آئیے پہلے پایئے کے اصول پر عمل کر کے جامعہ دارالعلوم حقانیہ یا قریب کتب خانہ سے طلب کریں، کہیں یہ ایڈیشن بھی ہاتھ سے جانے نہ پائے

مدارس عربیہ طلبأ علمأ کیلئے خصوصی رعایت

﴿جلد اول﴾ فقہ اور فتاوٰی کے مآخذ، عقائد ایمانیات فرق اسلامیہ، فرق باطلہ سائنس اور اسلام، تجدد والحاد وغیرہ

﴿جلد دوم﴾ اجتہاد، بدعت، علم، تفسیر و حدیث، سلوک، سیاست، کراھیۃ واباحۃ، حقوق النساء اور طہارت

﴿جلد سوم﴾ صلوۃ، عشر و زکوٰۃ، جدید معاشی مسائل ﴿جلد چہارم﴾ زکوٰۃ، صوم، حج، نکاح اور طلاق

﴿جلد پنجم﴾ نفقات ایمان و نذر، وقف، حدود، تعزیرات، اشربۃ، قصاص و دیۃ، جہاد، قضا و شہادۃ۔ قسمہ و اکراہ

﴿جلد ششم﴾ بیوع، ربا، رھن، اجارہ، شرکۃ، مضاربۃ، وکالۃ، حوالہ، ھبۃ، غصب، احیاء الموات، مزارعۃ، ذبائح، اضحیۃ، وصیت اور فرائض

خصوصیات

موت ومابعد الموت اور حیات دنیوی سے متعلق تمام مسائل میں شریعت کی رهنمائی

اس فتاوٰی میں سوالات کے جوابات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہر جواب کیساتھ کتب احادیث، تفاسیر اور معتمد فقہی ذخائر سے حوالہ جات بھی درج ہیں۔ قدیم و جدید مسائل اور ان کے جوابات، عصر حاضر کے ایسے جدید مسائل جو کہ معرکۃ الاراء ہیں اور ساتھ ساتھ نئی سائنسی تحقیقات، ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ و کمپیوٹر وغیرہ سے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں اسکے متعلق بھی انتہائی معلومات افزاء مواد اس میں شامل ہے۔ دارالعلوم سے یا قریبی مارکیٹ سے فوری طلب فرمائیں۔

ناشر: جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ---- 40
شمارہ نمبر ---- 10
جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ
جولائی --- ۲۰۰۵ء

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

نمبر کتاب 2617
قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: قرآن پاک کی بے حرمتی اور عالم اسلام کی بے حسی۔ آہ! حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کا سانحہ ارتحال .... راشد الحق سمیع ۲
بزم حقانیہ کے بجھنے والے چند ''پرانے چراغ'' .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۴
اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال۔ (درس ترمذی) .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۶
کمالات و محاسن خیر الامم .... حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب ۱۲
عالم اسلام صلیبی دہشت گردی کے نرغہ میں .... ادارہ ۱۶
دینی مدارس اسلام کا معجزہ ہیں .... مولانا عبداللہ عباس ندوی ۲۳
عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل .... (آخری قسط) جناب محمد مشتاق احمد ۲۴
مدارس اسلامیہ میں عصری علوم کتنے مفید' کتنے مضر .... مولانا محمد اشرف علی اعظمی ۳۲
مولانا حافظ مفتی رشید احمد صاحب صدیقی حقانیؒ .... حافظ محمد ابراہیم فانی ۳۸
مولانا سمیع الحق کا ''جرم'' واضح ہے .... جناب پروفیسر رشید احمد انگوی ۴۵
حضرت مولانا قاضی حبیب الرحمانؒ .... حافظ محمد عرفان الحق حقانی ۴۸
مقبوضہ آباد شاملات کا حکم/موت میں معاون ادویات کا حکم (دارالافتاء) .... مولانا مفتی مختار اللہ ۵۳
یہودی سیاست اور نئے پوپ .... اسامہ عبد الحکیم ۵۹
دارالعلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۲
تبصرہ کتب .... مدیر کے قلم سے ۶۳

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: haqqania@nsr.pol.com.pk OR editor_alhaq@yahoo.com
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200' بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز		بسم اللہ الرحمن الرحیم		راشد الحق سمیع حقانی

قرآن پاک کی بے حرمتی اور عالم اسلام کی بے حسی

خون مسلم سے ہولی کا کھیل تو کچھ عرصہ سے بڑے ذوق وشوق اور شد ومد کے ساتھ جاری ہے۔ آج کرۂ ارض کا ذرہ ذرہ خون مسلم کی رنگینی سے نالہ وفغاں ہے۔ عراق، افغانستان، فلسطین، کشمیر، چیچنیا، کوسوو، فلپائن، تھائی لینڈ اور پاکستان کے قبائلی علاقہ جات اس کی ادنیٰ مثال ہیں۔ جہاں ان دنوں انسانیت کو ذبح کیا جارہا ہے اور مغربی دنیا اس بربریت پر خندہ زن اور عالم اسلام خاموش ہے۔ اب تک تو اہل قرآن (مسلمانوں) کیساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جارہا تھا لیکن انکی نفرت اور تعصب کی آگ تو بجھنے کا نام نہیں لے رہی اور اب ان لوگوں کی شقاوت اور بدبختی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ان ظالموں نے معصوم اور پاک کتاب اللہ کو بھی نشانہ ستم بنادیا ہے۔ گوانتاموبے، ابوغریب جیل، بگرام ائیر بیس اور اسرائیل کی جیلوں سے تواتر کیساتھ یہ خبریں اور مصدقہ رپورٹیں ورلڈ میڈیا میں شائع ہورہی ہیں کہ فوجیوں نے مسلمان قیدیوں کو اذیت دینے کیلئے اور اپنے تعصب اور نفرت کے اظہار کیلئے قرآن پاک کو بھی نہیں بخشا پھر دوسری جانب یہ لوگ روشن خیالی، تحمل، برداشت، آزادئ اظہار رائے اور اس جیسے کئی خوشنما نعرے لگاتے ہیں لیکن عملاً انہوں نے ان سب کی دھجیاں اڑادیں۔ اس سانحہ پر پورا عالم اسلام سراپا احتجاج ہے لیکن مسلم حکومتیں اس قیامت نما حادثے پر بھی خاموش ہیں۔ اور انہوں نے امریکہ سے کوئی سنجیدہ احتجاج نہیں کیا۔ دوسری جانب مغرب اور امریکہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے ساتھ ایک سازش کے تحت گھناؤنے کھیل کھیل رہے ہیں اور ہماری مقدس ترین کتاب کی بے حرمتی کی انتہا کررہے ہیں اور پھر انہیں مسلمانوں سے امن وآشتی کی توقع بھی ہے؟ یہ تضادات سے بھری پالیسیاں دنیا کو آتش فشاں میں تبدیل کررہی ہیں اس میں فتح کسی کی بھی نہیں ہوگی۔ البتہ دنیا قیامت کے آنے سے پہلے ہی دوزخ کا روپ دھار لے گی۔ کاش! عالم اسلام کی قیادت کو دینی غیرت اور حمیت کا احساس ہو اور وہ مغرب اور امریکہ سے کھل کر یہ بات کرے کہ مسلمان کسی بھی صورت اسلامی شعائر اور کتاب اللہ کی بے حرمتی اور اپنی آزادی پر سمجھوتہ نہیں کریں گے اور ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے جنہوں نے کتاب اللہ کی بے حرمتی اور کروڑوں مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے اسلئے کہ یہ عمل بھی دہشتگردی کے زمرے میں آتا ہے۔ لندن کے دھماکے جو قابل افسوس ہیں لیکن شاید یہ انہی عوامل اور واقعات کا ردعمل ہوسکتے ہیں، دونوں جانب سے جاری جنگ تب ہی ختم ہوسکتی ہے جب استعماریت کا تصور ختم کیا جائے اور دوسرے مذاہب اور اقوام کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ تب ہی دنیا میں حقیقی امن قائم ہوسکتا ہے۔

وفیات: آہ! حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کا سانحہ ارتحال

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کے آخری خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ مورخہ ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ ۱۷/مئی ۲۰۰۵ء کو بروز منگل بھارت کے صوبے یوپی ضلع ہردوئی میں انتقال کر گئے۔ نمازِ جنازہ بدھ کے روز بعد از نماز فجر اشرف المدارس ہردوئی میں ادا کی گئی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق نمازِ جنازہ میں تقریباً دس لاکھ افراد نے شرکت کی' جس میں برصغیر کے مختلف اطراف سے مشائخ وعلماء وصلحاء اور عوام کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے شرکت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھا۔ نمازِ جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے خلیفہ مولانا قاری امیر الحسن نے پڑھائی...... مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد پوچھا کہ کیا لائے ہو۔ تو میں صدیق (حضرت مولانا صدیق احمد باندوی) اور ابرار (حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ) کو پیش کردوں گا۔...... آپ ۱۹۱۷ء کو محترم محمود الحق ایڈووکیٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۲ء کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اور ۳۷ء میں وہیں سے فارغ ہوئے آپ کے والد حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز صحبت تھے اور سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ سے جاملتا ہے دورۂ حدیث میں آپ کے ساتھ ۴۲ طلبہ شریک تھے آپ ان میں اول آئے اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔ انعام میں آپ کو دس روپے کے ساتھ ساتھ یہ کتابیں بھی ملیں' انہاء السکن۔ احیاء السنن' استدراک الحسن' اعلاء السنن ج ۱۳ اشرف السوانح تشکیل سندات بخاری مغلطات مرزا وغیرہ۔

فراغت کے بعد آپ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ہی میں معین مدرس مقرر ہوئے اور کچھ عرصہ ابتدائی کتابیں پڑھائیں اس کے بعد حضرت تھانویؒ کے حسب ارشاد مدرسہ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے۔ وہاں تین سال گزارنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۴۷ء میں ہردوئی میں اشرف المدارس کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں آپ وفات تک درس وتدریس کے ساتھ ساتھ وعظ ونصیحت اور اصلاح وارشاد بھی فرماتے رہے۔...... آپ کا زمانہ طالب علمی ہی سے حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ اصلاحی تعلق رہا اور حضرت تھانویؒ نے آپ کو صرف ۲۲ سال کی عمر میں خلافت سے نوازا۔ دورانِ طالب علمی ہی میں آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ہر ہفتہ سہارنپور سے تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی۔ خصوصاً ایام تعطیل اپنے پیرومرشد ہی کی خدمت میں گزارتے رہے۔ آپ حضرت تھانویؒ کے لگ بھگ ڈیڑھ سو خلفاء میں سب سے کم سن اور کم عمر خلیفہ ہیں پوری دنیا میں ان کے آخری خلیفہ بھی یہی ہیں۔ خلافت کے بعد دعوت وتبلیغ اور افادہ واستفادہ کے لئے جتنی بھی زندگی آپ کو ملی اور کسی خلیفہ کو نہیں ملی۔ انتہائی نفاست مزاج اور خوگر سنت تھے۔ کراچی میں آپکے تین مشہور خلفاء یہ ہیں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ' حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب اور جناب قاری محفوظ الحق صاحب۔ بالآخر بزم اشرف کا یہ آخری چراغ بھی ایک زمانہ تک ضیا پاشیاں کرتا ہوا رنگ چمن کو شکستہ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے پس پردہ ہوا۔

از قلم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

بزم حقانیہ کے بجھنے والے چند ''پرانے چراغ''

ع   اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت مولانا قاری محمد امینؒ کی وفات: آج ۱۸ جولائی پیر کا دن ہے ''الحق'' کا تازہ شمارہ جا رہا ہے کہ 11 بجے صبح یہ المناک اطلاع ملی کہ بقیۃ السلف حضرت علامہ مولانا قاری محمد امین صاحب بانی و مہتمم جامعہ عثمانیہ حنفیہ ورکشاپی محلہ راولپنڈی انتقال کر گئے۔ مرحوم مدرسہ امینیہ دہلی کے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر سے فیض یافتہ تھے۔ تقسیم ہند کے بعد دارالعلوم حقانیہ قائم ہوا تو آپ نے اپنے رفیق خاص حضرت علامہ مولانا عبدالحنان ہزاروی ناظم جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ دارالعلوم حقانیہ کی تعمیر و ترقی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی رفاقت و معاونت کے لئے کمر ہمت باندھ لی اور شیخ الحدیث کی معیت میں اخلاص و استقامت کے وہ مظاہرے کئے جس کی بدولت آج دارالعلوم حقانیہ عالم اسلام کا درخشندہ ستارہ بن کر آسمان علم و ہدایت پر چمک رہا ہے قاری محمد امین صاحب مرحوم نے آخر دم تک سیاسی میدان میں بھی ناچیز سمیع الحق سے جمعیت علماء اسلام کے محاذ پر اور دارالعلوم حقانیہ سے تعلق کا مضبوط رشتہ قائم رکھا۔ وہ دارالعلوم حقانیہ کے تاحیات مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔ آخری سالوں میں مجلس شوریٰ کے اجلاس کی صدارت بھی آپ ہی فرماتے تھے۔ دارالعلوم کی تاسیس تعمیر و ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث مرحوم کو جن مخلصین کی جماعت حقہ سے نوازا تھا' حضرت مرحوم اس کی آخری نشانی تھے۔

ع   اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آپ کا مدرسہ عثمانیہ اکابر جمعیت اور مشائخ وقت بالخصوص شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ قائد ملت مولانا مفتی محمود قدس سرہ شیخ المشائخ مولانا خان محمد صاحب مدظلہ سب کا قیام گاہ ہوتا۔ مدرسہ کے جلسہ دستار بندی میں یہ اکابر حتی الوسع شریک ہوتے۔ قاری صاحب مرحوم نے سیاسی جدوجہد میں اکابر جمعیت کے شانہ بشانہ کام کیا۔ ان کے اخلاف صدق میں قاری محمد اخلاق مدنی' امام شاہ فیصل مسجد اور لیکچرار اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد مولانا قاری حسنات احمد قاری اشفاق احمد و دیگر شامل ہیں جو دینی وعلمی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے ان کے صدقات باقیہ کو جاری اور ساری رکھے۔ دارالعلوم حقانیہ ایک مخلص و مہربان سرپرست اور ناچیز ایک مشفق مخلص وفا شعار دعا گو بزرگ سے محروم ہوگیا۔ اطلاع ملتے ہی دارالحدیث میں درس بخاری کے بعد ناچیز نے طلبہ کو یہ غمناک خبر سنائی اور طلبہ دورہ حدیث کو

ایسے جامع الصفات اور حقانیہ کے بانی بزرگ کے احوال وکمالات سنائے اور مرحوم کے رفع درجات کے لئے دعا کروائی گئی۔ جنازہ میں بھی ناچیز اور دارالعلوم کے بہت سے حضرات کو شرکت کی سعادت ملی۔ حق تعالیٰ مرحوم اور دیگر اکابر کو اعلیٰ مقامات قرب ورضا سے نوازے۔

حضرت مولانا قاضی حبیب الرحمان کی رحلت: ان دنوں ایک اور بقیۃ السلف بزرگ جو میرے درس نظامی کے اولین اساتذہ میں سے تھے۔ان کی جدائی پر علم وفضل کی دنیا کو ایک اور صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔حضرت علامہ مولانا قاضی حبیب الرحمان صاحبؒ فاضل دیوبند 18 جون بروز ہفتہ ماہ ڈیڑھ ماہ کی علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔مرحوم شیخ الحدیثؒ کے قائم کردہ ادارہ انجمن تعلیم القرآن اسلامیہ سکول کے شعبہ عربی کے اولین یا واحد استاذ تھے اور اسی ادارہ نے قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم حقانیہ کی شکل اختیار کی۔ناچیز کو اسلامی علوم کے ابجد پڑھنے کی سعادت ان سے حاصل ہوئی اسی طرح حضرت علامہ مولانا شیر علی شاہ صاحب اور قاضی مولانا انوار الدین صاحب کی تعلیم کا آغاز بھی ان سے ہوا۔اس شمارہ میں انکے مختلف احوال وسوانح شامل ہیں۔حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازے

دارالعلوم کے بے لوث مخلص ڈاکٹر عبدالماجد صاحبؒ کی جدائی:

دارالعلوم کے ابتدائی ادوار میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے مخلص جانثار ساتھی اور خادم اور اساتذہ وطلباء کے غمخوار' معالج خاص میاں ڈاکٹر عبدالماجد صاحبؒ معروف ''بڑے میاں ڈاکٹر'' بھی طویل علالت کے بعد انتقال کرگئے۔حضرت قدس سرہ کی رفاقت اور طلبہ کی خدمت کی خاطر اپنے اصل گاؤں زیارت کاکا صاحب کو آپ نے مستقل چھوڑ کر حضرت قدس سرہ کے جوار میں رہائش اختیار کی۔آپ تقویٰ' دیانت' جذبہ خدمت کا ایک پیکر جمیل تھے ۔اللہ تعالیٰ ان کے حسنات وخدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ادارہ پسماندگان سے دلی تعزیت کرتا ہے۔

اپنے ایک بزرگ عزیز کی وفات: آخر میں اس قصہ غم والم کا اختتام اپنے ایک بزرگ کے سانحہ ارتحال کے ذکر پر کرتا ہوں۔جناب محترم الحاج دوا خان صاحب ساکن منگلور ضلع سوات میرے حقیقی خسر تھے۔جو چلتے پھرتے اچانک بلڈ پریشر کے ہائی ہونے کی وجہ سے گر پڑے' اور برین ہمرج کا شکار ہوکر چند گھنٹے بے ہوش رہ کر ۱۰ر جولائی بروز اتوار ۲۰۰۵ء کو علی الصباح ساڑھے تین بجے واصل بحق ہوگئے۔مرحوم سادگی' قناعت' بے نفسی اور تواضع میں المومن غرّ کریم کا مصداق تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سال زیارت حرمین شریفین اور حج کی سعادت سے بھی نوازا۔جہاں وہ وارفتگی اور عشق کے عجیب عالم میں رہے۔نماز جنازہ اسی دن ڈیڑھ بجے منگلور میں ہوا۔ناچیز کو جنازہ میں شریک ہوکر جنازہ پڑھانے کی سعادت ملی۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو بہترین مقامات قرب و رضا سے نوازے۔قارئین الحق سے تمام مرحومین کے لئے دعاؤں کی درخواست ہے۔سفر کی صعوبتوں کے خیال سے اعلان عام نہیں کیا گیا اور نہ احباب کو اطلاع دی گئی۔

درس ترمذی شریف

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

ضبط وترتیب : مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

معاون مفتی دارالافتاء جامعہ حقانیہ

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

جامع امام ترمذی کے ابواب البر والصلۃ کے درسی افادات

باب ما جاء فی قبول الهدية والمكافأة عليها

ہدیہ قبول کرنے اور اس پر بدلہ دینے کا بیان

حدثنا يحيىٰ بن اكثم وعلي بن خشرم قالا حدثنا عيسى بن يونس عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة ان النبي ﷺ كان يقبل الهدية ويثيب عليها" وفي الباب عن ابي هريرة وأنس و ابن عمر و جابر .... هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه. لانعرفه مرفوعاً الا من حديث عيسى بن يونس.

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ بیشک جناب رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔ اور اس باب میں حضرت ابو ہریرۃ، حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایات ہوئی ہیں۔ ...... یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس طریق کے ساتھ غریب ہے۔ ہم اس کو حدیث عیسیٰ بن یونس کے علاوہ مرفوع نہیں پہچانتے ہیں۔

توضیح وتشریح:

یہ ابواب چونکہ بر اور صلہ کے ہیں ان میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی حسن سلوک، بھائی چارہ، محبت اور رواداری کا درس دیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو ھدیہ دینا، تحفے تحائف بھیجنا بھی ایک ایسی چیز ہے جس سے محبت بڑھ جاتی ہے۔ دوستی اور برادری مضبوط تر ہو جاتی ہے۔ لہذا اس باب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ ذکر ہوئی کہ آپ ﷺ ہدیہ کو قبول فرماتے تھے اور اس ہدیہ دینے والے کو عوض کے طور پر واپس کوئی چیز ہدیہ میں دے دیتے تھے اور دوسروں سے بھی قبول کرلیا کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ ہدیہ کو قبول کر کے اس کا بدلہ بھی

ضرور دیا کرتے تھے اور ہدیہ کا بدلہ دینے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کم از کم وہ عوض ہدیہ کی قیمت کے برابر ہو۔

کیا ہدیہ کا بدلہ دینا ضروری ہے؟ اخلاق کریمانہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ احسان کیا اس کے ساتھ احسان کرو۔ ارشاد ربانی ہے:

هل جزآ الاحسان إلا الاحسان (الایۃ) یعنی احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔

اور حضور ﷺ کی شان یہ تھی کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ ہدیہ دینے والے کو اس کے ہدیہ کا بدلہ دیا کرتے تھے۔

آپ کی اس عام عادت کی وجہ سے بعض مالکیہ نے حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے ہدیہ کا معاوضہ دینے کے وجوب کا قول کیا ہے۔ جبکہ واہب نے مطلقا (یعنی کسی قسم کی شرائط کے بغیر) ہدیہ دیا ہو۔ اور واہب (ہدیہ وھبہ دینے والا) اس قبیل سے ہو کہ وہ اس ھدیہ سے عوض ملنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو جیسا کہ فقیر آدمی کسی صاحب حیثیت اور مالدار آدمی کو ہدیہ دیتا ہے۔ تو اس سے بظاہر یہی مقصود ہوتا ہے کہ اس صاحب حیثیت آدمی کی طرف سے اس کو عوض مل جائے تو اس صورت میں عوض دینا بھی لازمی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ کے لئے ہدیہ کا بدلہ دے دیا ہے۔ اور اس سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔ اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہبہ کرنے والے نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس نے جو چیز ہدیہ کی ہے اس کے عوض میں اس کو اس سے زیادہ چیز مل جائے تو کم از کم اس کو اس چیز کے برابر اور مثل تو ضرور ملنا چاہیے۔

حنفیہ کا مسلک:

لیکن احناف کے نزدیک (اور امام شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق) عوض ملنے کی نیت سے ہبہ کرنا اور کوئی چیز ہدیہ میں دینا باطل ہے۔ کیونکہ یہ بیع کے حکم میں ہے۔ جس میں ثمن مجہول ہے۔ نیز ہبہ اور ہدیہ کی بناء تبرع واحسان پر ہے اور جب اس میں (عوض ارادہ کرنے کی وجہ سے) تبرع واحسان نہ رہ جائے تو یہ بیع کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حنفیہ کے نزدیک ہبہ بشرط العوض بیع کے حکم میں ہے۔ لہذا فی الحقیقت اس کا ہدیہ اور ہبہ ہونا باطل ہو چکا ہے۔ نیز اس نیت سے ہدیہ دینا کہ عوض مل جائے اخلاق کریمانہ کے خلاف بھی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تمنن تستكثر (المدثر۔ الایۃ) یعنی ایسا نہ کر کہ تو احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے جناب رسول اللہ ﷺ پر یہ حرام کیا گیا تھا کہ آپ ﷺ اس غرض سے کسی کو کوئی چیز ہدیہ واحسان کے طور پر دے دیں تا کہ بعد میں آپ کو اس سے زیادہ عوض میں مل جائے۔

اور حضور ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کے لئے ایسا کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن پھر بھی کراہت سے خالی اور بہتر نہیں ہے۔

حاصل بحث: یہ ہے کہ اس نیت سے ہدیہ دینا کہ اس کا عوض مل جائے۔ اخلاق کریمانہ کے خلاف ہونے میں تو کسی کو خلاف نہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام پر ایسا کرنا حرام قرار دیا تھا۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اور جب آپ کو کوئی آدمی ہدیہ دے دے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہ سہی اخلاق کریمانہ کا تقاضا تو ضرور ہے۔ اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ کی عام عادت مبارکہ یہی تھی کہ ہدیہ کو قبول فرماتے تھے۔ اور پھر اس کا بدلہ دیا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسا ہی کرنا مناسب ہے کہ ہدیہ کو قبول کر کے اس کے بدلہ دینے کا بھی اہتمام کیا جاوے۔

اگر ہدیہ کا بدلہ نہ دے سکتا ہو تو ہدیہ دینے والے کے لئے دعا کرو:

اور اگر اس ہدیہ کا مناسب بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو پھر اس محسن کے حق میں دعا کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ: جس نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی اور احسان کر دیا تو اس کا بدلہ دیا کرو۔ پس اگر تمہارے ساتھ بدلہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو اس کے لئے دعا کرو، یہاں تک کہ تم سمجھ جاؤ کہ تم نے اس کا بدلہ ادا کر دیا" اور ایک روایت میں یہ مضمون ذکر ہے کہ جس نے احسان کرنے والے سے "جزاک اللہ" کہا تو اس نے اس کا بدلہ ادا کر دیا۔

باب ما جاء فی الشکر لمن أحسن إلیک

جس نے تمہارے ساتھ احسان کیا اس کا شکریہ ادا کرنے کا بیان

حدثنا احمد بن محمد ثنا عبداللہ بن المبارک ثنا الربیع بن مسلم ثنا محمد بن زیاد عن أبی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ من لا یشکر الناس لایشکر اللہ۔ ھذا حدیث صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہ کرے، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہ کرے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حدثنا ھناد ثنا أبو معاویہ عن ابن أبی لیلیٰ، وحدثنا سفیان بن وکیع ثنا حمید بن عبدالرحمن الرواسی عن ابن ابی لیلیٰ عن عطیہ عن أبی سعید قال: قال رسول اللہ ﷺ: "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔"

وفی الباب عن أبی ھریرۃ والاشعث بن قیس والنعمان بن بشیر۔

ھذا حدیث حسن

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا۔

اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اس وقت مکمل ہو جاتا ہے جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تابعداری کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تجھے جس بندۂ خدا کے ہاتھ سے مل جائے تو اس بندہ کا شکریہ بھی ادا کرو۔ پس جب اس نے اس حکم میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہ کیا۔ نیز یہ کہ جس آدمی کی عادت اور طبیعت اس طرح بن چکی ہو کہ جب لوگوں کی طرف سے اس کو کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ ان کی ناشکری کرتا ہے۔ اور لوگوں کے احسانات کا شکریہ ترک کرتا ہے۔ تو لازم ہے کہ اس کی یہ بھی عادت ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بھی ناشکری کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بھی شکریہ ادا نہ کرے گا' کیونکہ بندہ محسن تو آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور نظر آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ تو دیکھا بھی نہیں جاسکتا۔ نیز بندہ کی طرف سے کبھی کبھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسانات کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا ہے۔ جس کو عادی سمجھ کر غافل انسان شکر کو خیال میں نہیں لاتا اور ''یا من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کے بدلے میں اس آدمی کا شکر قبول نہیں فرماتا جو آدمی لوگوں کے احسانات کا ناسپاس گزار ہو اور ان کی نیکی اور احسان کا شکر ادا نہ کرتا ہو۔

باب ما جاء فی صنائع المعروف

مختلف قسم کے احسانات اور نیکیوں کا بیان

حدثنا عباس بن عبد العظيم العنبري ثنا النضر بن محمد الجرشي السيمامي ثنا عكرمة بن عمار ثنا أبوزميل عن مالك بن مرشد عن أبيه عن أبي ذر قال: قال رسول الله ﷺ: "تبسمك في وجه أخيك لك صدقة، وامرك بالمعروف و نهيك عن المنكر صدقة، وارشادك الرجل في أرض الضلال لك صدقة، وبصرك للرجل الرديء البصر لك صدقة وإماطتك الحجر و الشوك والعظم عن الطريق لك صدقة، وإفراغك من دلوك في دلو أخيك لك صدقة…… وفي الباب عن ابن مسعود و جابر و حذيفة وعائشة وأبي هريرة…… هذا حديث حسن غريب…… وأبوزميل سماك بن الوليد الحنفي، والنضر

بن محمد هو الجرشي السيمامي۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا: تیرا اپنے بھائی (مسلمان) کے سامنے مسکرانا تیرے لئے صدقہ ہے۔ اور تیرا حکم کرنا نیکی کا' اور تیرا روکنا برائی سے تیرے لئے۔ صدقہ ہے اور تیرا کسی گم کردہ راہ کو کسی ناآشنا زمین میں صحیح راستے پر لے جانا تیرے لئے صدقہ ہے۔ اور تیری آنکھیں کسی بیکار آنکھوں والے آدمی کے لئے (کام آنا) تیرے لئے صدقہ ہے' اور تیرا راستے سے پتھر' کانٹا اور ہڈی (وغیرہ) ہٹانا تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی (مسلمان) کے ڈول میں پانی ڈالنا تیرے لئے صدقہ ہے...... اور اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت حذیفہؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ سے بھی روایات ہوئی ہیں۔...... یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور ابوزمیل جو ہیں' یہ سماک بن الولید حنفی ہیں' اور نضر بن محمد جو ہیں یہ جرشی السیمامی ہیں۔

<u>آسان نیکیاں اور مفت کے صدقے:</u>

اس باب میں نیکی کی اہمیت کو اجاگر کر دیا گیا ہے کہ معمولی سی نیکی کو چھوٹی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اور اگر کسی آدمی کے پاس مال و دولت نہ ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو حج نہیں کر سکتا' قربانی نہیں کر سکتا' زکوٰۃ اور صدقہ نہیں دے سکتا' میں تو بے بس ہوں' اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھے۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے چند ایسے صدقات کی نشاندہی کی ہے جن پر کوئی لاگت نہیں آتی' کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا' اور عملنامہ میں صدقہ کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ پس غریب آدمی اگر مال خرچ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے تو ایسے صدقات کرے جن کے لئے مال لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور مفت میں اپنے اعمالنامہ کو صدقات کے اجر و ثواب سے بھر دے۔

وہ صدقات یہ ہیں:

(۱) اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے۔

(۲) کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ کیونکہ صدقہ سے عموماً کسی کو مالی خیر پہنچایا جاتا ہے۔ اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دینی اعتبار سے اس کو خیر پہنچانا ہے۔ جو کہ بہترین صدقہ ہے۔

(۳) اور جو آدمی کسی بیابان میں یا پردیس اور ناآشنا جگہ میں راستے سے بھٹک جائے اسکو صحیح رہنمائی کرنا اور راہ راست پر لانا صدقہ ہے۔

(۴) کسی اندھے یا بوڑھے وغیرہ کو "جس کی آنکھیں بیکار ہو چکی ہوں" ہاتھ سے پکڑ کر کسی ندی' نالی اور گڑھے وغیرہ سے بچا کر گزارنا یا اس کو اپنی منزل مقصود تک پہنچانا صدقہ ہے اور یہ اس طرح ہوا جیسا کہ تیری آنکھیں اس کے لئے آنکھیں بن گئیں۔ گویا تو نے آنکھوں کا صدقہ کر دیا۔

(۵) راستے سے تکلیف دہ چیز' پتھر' کانٹا' ہڈی' پلاسٹک کے لفافے' کیلا' مالٹے' اور تربوز کے پوست اور چھلکے وغیرہ ہٹانا صدقہ ہے۔ ان تمام ایذاء پہنچانے والی چیزوں کو ہٹانے کا شریعت مقدسہ نے حکم دیا ہے اور اس کو ایمان کے اعمال میں شمار کیا ہے تو ان لوگوں کا دین اسلام میں کیا مرتبہ ہوگا۔ جو ان چیزوں کو اپنے گھروں' کمروں سے نکال کر راستے میں پھینک دیتے ہیں۔ یا بعض طلباء حضرات فروٹ وغیرہ کھا کر ان کے چھلکے گھٹلیاں وغیرہ کو کمروں کے سامنے پھینک دیتے ہیں۔ یہ حد درجہ کا اخلاقی و شرعی جرم ہے۔ ان چیزوں پر راستے میں کبھی کبھار آدمی کا پاؤں پھسل جاتا ہے۔ جس سے کبھی کبھی موت واقع ہونا بھی مستبعد نہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ان چیزوں کا پھینکنے والا قتل نفس کے لئے' سبب بن کر گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ نیز کمروں کے سامنے پھینکنے سے گندگی پھیل جاتی ہے' اس پر مکھی' مچھر جمع ہو جاتے ہیں' اور جراثیم پھیلا کر ملیریا وغیرہ بیماریوں میں لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حدیث باب میں اگرچہ' پتھر' کانٹے اور ہڈی کا ذکر ہوا ہے' لیکن مراد ہر وہ چیز ہے جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اماطة الاذى عن الطريق مذکور ہے یعنی راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا' اور عواقب اور ضرر کے لحاظ سے یہ فروٹ کے چھلکے وغیرہ' پتھر اور کانٹے سے زیادہ خطرناک اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ پس ایسی چیزیں راستوں میں اور لوگوں کی گزرگاہوں میں پھینکنا بہت بڑا اخلاقی و شرعی جرم ہے۔ اسلام نے ان چیزوں کا راستے سے ہٹانے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

(٦) اور تو نے مثلاً اپنی باری میں کنویں سے ڈول بھر کر نکالا اب اس پانی پر تمہارا حق ہے لیکن تم نے اس پانی سے دوسرے مسلمان بھائی کے برتن میں پانی ڈالا تو یہ بھی صدقہ ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ دوسرا مسلمان ضعیف اور بوڑھا ہو' یا ناتواں بچہ ہو اور ان کے ساتھ ہمدردی کی تو بہت بڑا اجر ہے۔

اس طرح مثلاً دار العلوم میں روٹی وغیرہ نمبر پر لینا ہو تو دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا مثلاً کوئی دوسرا طالبعلم تجھ سے عمر یا علم کے لحاظ سے بڑا ہے اور تم نے اپنے نمبر میں اس کو کھڑا کر دیا' یا کوئی دوسرا طالب علم ضعیف اور چھوٹا ہو اس پر شفقت کر کے اپنی باری اس کو دے دینا۔ یا کوئی طالب علم استاد نے بھیجا ہو' اس کو مقدم کرنا تاکہ اس کا کام پہلے ہو جائے۔ یہ تمام چیزیں اخلاق حسنہ میں سے ہیں۔ اور آسان نیکیاں ہیں۔ جس پر کچھ رقم خرچ نہیں ہوتا اور صدقہ کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

خیرے کن اے فلان و غنیمت شمار عمر
زان پیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

کمالات و محاسن خیر الامم

(۴)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد فاعوذ باالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم والذین امنوا اشد حبالله صدق الله العظیم

وقال رسول الله ﷺ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین (بخاری ومسلم)

حضرت ابوطلحہؓ کا ایثار و جذبہ محبت: عاشق رسول حضرت ابوطلحہؓ نے حضورؐ کی جان بچاتے ہوئے اپنے تمام جسم کو چھلنی ہونے کے لئے پیش کر دیا، امیر المؤمنین حضرت سید ابوبکرؓ کے ارشاد کے مطابق ان کے جسم پر قریباً ستر زخم تلوار و تیر کے آئے۔ اللہ کے محبوبؐ کے دفاع میں ان کا ہاتھ شل ہوا۔ حضرت انسؓ کا ارشاد ہے:

قال کان ابوطلحه یتترس مع النبی ﷺ بترس واحد وکان ابوطلحه حسن الرمی فکان اذا رمی تشرف النبی ﷺ فینظر الی موضع نبله (بخاری)

ترجمہ: ''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ غزوہ احد میں ایک ڈھال کے ذریعہ نبی کریمؐ کا دفاع کرتے رہے ابوطلحہ بہترین تیر انداز تھے (وہ حضورؐ کے بچاؤ میں دشمنوں پر مہارت سے تیراندازی کر رہے تھے) چنانچہ جب وہ تیر پھینکتے تو نبی کریمؐ سر اٹھا کر دیکھتے کہ تیر کہاں پڑا ہے۔''

ایک اور جگہ ابوطلحہ کے بارے میں آیا ہے کہ تیر اٹھائے مجاہد کا وہاں سے گزر ہوتا تو حضورؐ فرماتے ابوطلحہ کو تیر دو، ابوطلحہ حضورؐ کو سر اٹھاتے دیکھ کر فرماتے یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ سر مبارک نیچے کر دیں کہیں کافروں کا تیر آپ کو نہ لگے کیونکہ میں نے اپنے سینہ کو آپ کے سینہ کے لئے ڈھال بنایا ہوا ہے۔ یہ اللہ و رسول کی محبت اور ایمان و یقین کا وہ جذبہ تھا جس کے پیش نظر حضورؐ کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کرنا فریضہ سمجھ کر آخر وقت تک کفار کے حملوں کے سامنے ڈٹے رہے۔

نبیؐ کی محبت اولاد کی محبت پر غالب رہی: خلیفہ اول سیدنا ابوبکرؓ نے جنگ بدر کے موقع پر اللہ و رسول کی محبت کے مقابلہ میں شفقت پدری، اولاد کی محبت کے جذبے کو ٹھکرانے کا ذکر فرما کر محبت کے علمبرداروں کیلئے تاقیامت عظیم نمونہ فراہم کر دیا۔ اخبرنا ابو العباس بن القاسم السیاری بمرو ثنا عبد الله بن علی

الغزالی ثنا علی بن الحسن بن شفیق ثنا عبداللہ بن المبارک عن معمر عن ایوب قال قال عبدالرحمن بن ابی بکر لابی بکرؓ قد رأیتک یوم احد فصفحت عنک فقال ابوبکر لکنی لو رایتک لم اصفح عنک (المستدرک للحاکم)

ترجمہ: ''حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمان نے اپنے باپ حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ جنگ بدر کے موقع پر میرا آپ سے آمنا سامنا ہوا میں نے باپ کی محبت کی وجہ سے آپ سے اعراض کیا۔ جواب میں ابوبکر نے فرمایا کہ اگر تم میری تلوار کی زد میں آتے تو میں تجھے معاف نہ کرتا۔''

جب اللہ اور رسولؐ کی محبت غالب آتی ہے تو تمام محبتیں خواہ اولاد کی ہوں، مال کی ہوں، تمام دنیا کی ہوں ہیچ ہو جاتی ہیں، جنگ بدر کے تاریخی معرکہ میں حضرت ابوبکرؓ مسلمان اور ان کے بیٹے عبدالرحمان غیر مسلم تھے۔ باپ اسلامی لشکر میں جذبہ ایمانی اور اسلامی احکامات کا پاسدار اور بیٹا کفر کے اندھیروں میں بھٹک کر مجاہدوں اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے۔ معرکہ حق و باطل میں مسلمان، کفر اور کافر کو اپنے انجام تک پہونچانے کا خواہشمند اور کافر قافلہ جانثاروں کی مختصر جماعت کے صفایا میں مگن بیٹا حضرت عبدالرحمٰن اسلام لانے کے بعد واقعہ بدر سناتے ہوئے باپ کو کہہ رہا ہے کہ ابا جان جنگ بدر کے موقع پر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ آپ بالکل میری تلوار کے نشانہ اور زد پر تھے، مگر آپ پر حملہ اور آپ کو قتل کرنے کی راہ میں والد کے فطری محبت کا جذبہ میرے دل میں آپ پر حملہ کرنے سے رکاوٹ بن کر میں نے آپ کو شہید نہ کیا۔ باپ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں جو جملہ فرمایا وہ ہم اور آپ جیسے ضعیف الایمان اور محبت کے دعویداروں کے جذبات محبت کو بیدار کرنے کے لئے نسخہ اکسیر ہے۔ فرمایا بیٹے اسوقت تم کفر کی حالت میں تھے اسلام اور امام الانبیا کے حسد و دشمنی میں حزب الشیطان کے سپاہی تھے۔ اگر تم میری نظر یا میرے قابو میں آجاتے تو شفقت پدری کے مقابلہ میں اللہ و رسولؐ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے تمہیں فوراً قتل کر دیتا۔

محترم سامعین! یہی قول رسول اللہ ﷺ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ و الناس اجمعین کا ہم اور آپ سے مطالبہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے حکم اور محبت کے مقابلہ میں تمام محبتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب یہ دونوں مسلمان کی محبوب بن جاتی ہیں تو ان کی تمام ادائیں محبوب جاننا اور ان پر عمل کرنا ایمان کا جزو بن جاتی ہیں۔

جماعتِ انصارؓ حضورؐ کے فداکاروں میں ایک اہم جماعت انصار کی ہے جن کی عظمت کے بارہ میں امام المرسلینؐ کے الفاظ ہی کافی ہیں کہ فرمایا اللھم ارحم الانصار و ابناء الانصار۔ ترجمہ: ''اے اللہ انصار، ان کے بیٹوں ان کے پوتوں پر رحم فرما۔'' ارشاد ہے: عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لولا الھجرۃ لکنت امرأ من الانصار ولو سلک الناس وادیا وسلکت الانصار وادیا اوشعبا لسلکت وادی الانصار وشعبھا الانصار شعار والناس دثار الخ (البخاری)

ترجمہ: ''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری وادی پہاڑی درّہ میں چلیں میں اس راستہ یا درہ پر چلوں گا جو انصار (مسلمانوں) کا راستہ ہے۔ انصار میرے لئے قمیص (کُرتے) کے مانند ہیں جو جسم سے متصل اور ملحق ہوتا ہے۔ اور باقی لوگ چادر یعنی وہ کپڑا جو قمیص وغیرہ کے اوپر اوڑھا جاتا ہے بدن سے متصل نہیں ہوتا کے مانند ہیں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ انصار میرے رازدار اور خصوصی ساتھی ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا: عن انس عن النبی ﷺ قال اية الايمان حب الانصار و اية النفاق بغض الانصار (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ حضورؐ سے نقل فرما رہے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کمال ایمان کی نشانی انصار سے محبت ہے اور منافقت کی نشانی انصار سے بعض عداوت ہے۔'' ......اس عظیم المرتب اسلام کے متوالوں کا ٹکراؤ جب مال مویشی دولت اور حضورؐ میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو حضورؐ کی محبت سے سرشار جماعت نے مال کو ٹھکرا کر حضورؐ کی محبت کو ترجیح دی۔ حضرت انسؓ کی ایک حدیث طویل کا خلاصہ ہماری اور آپ کی بند آنکھوں کے کھولنے کیلئے کافی ہے۔

ہوازن قبیلے کا مال و دولت جب بطور مال غنیمت حضورؐ کے ہاتھ آیا، تقسیم کے وقت محبوب خدا صلعم نے قریش کے کئی اصحاب کو سو سو اونٹ دیئے۔ انصار کے بعض حضرات نے اس تقسیم پر شکوے کا اظہار کرتے ہوئے آپس میں کہا کہ آپؐ اپنے قبیلے (قریش) کو مال غنیمت میں زیادہ حصہ دے رہے ہیں اور انصار کو کم۔ حضورؐ کو انصار کے اس اعتراض کا علم ہوا۔ ان کو جمع کر کے اس شکایت کے متعلق ان سے پوچھا، عقلمند و سمجھدار صحابہ نے معذرت کرتے ہوئے اس شکایت کو بعض جلد باز و جذباتی جوانوں کا کارنامہ قرار دیا۔ حضورؐ نے تقسیم کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا جن لوگوں کو میں نے مال غنیمت میں وافر حصہ دیا۔ زمانہ قریب میں یہ غیر مسلم تھے ان کو زیادہ حصہ دینے کا مقصد صرف ان کا تالیف قلوب ہے۔ مقصد اسلام پر ثابت قدم رکھنا مطلوب تھا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد و کشش کارفرما نہیں۔ اے انصار کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ مال دولت مجھ سے لے کر اپنے ٹھکانوں کو واپس جائیں اور تم لوگ پیغمبر خدا صلعم کو لے کر اپنے مکانوں کو واپس جاؤ۔ اب خود فیصلہ کرو کہ فانی دنیا کے ناپائیدار مال و دولت کو حاصل کرنا چاہتے ہو یا اس کے مقابلے میں امام الانبیاء صلعم کی ذات جس کے پانے میں دنیا و آخرت کی نجات ہے۔

حضورؐ پر مر مٹنے والے نفوسِ قدسیہ نے بیک آواز کہا: بلیٰ یا رسول الله قد رضینا یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کو اپنے لئے حاصل کرنے پر راضی ہیں۔ اس محبت رسول کا ثمرہ تھا کہ جزیرۃ العرب کے وہ اَن پڑھ، ہر قسم کی برائی میں مبتلا افراد آسمان رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کرامت کے لئے مینارہ رشد و ہدایت بن گئے۔ سید الانبیاء کی عظمت و محبت ان کے رگ وریشہ میں ایسے رچ بس گئی کہ اپنے اس عظیم محبوب کے مقابلہ میں دنیاوی جاہ و جلال، حشم و خدم، رشتے مال و دولت کی محبت ان کی نظروں میں ہیچ ہوگئی۔

ماں باپ سے محبت ایک فطری و طبعی جذبہ ہے، اس دنیاوی محبت میں عورتیں مردوں سے زیادہ والدین سے

انس رکھتی ہیں' صنف نازک کہلانے کی وجہ سے ان کے دل بھی انتہائی نرم ونازک' ماں باپ کی محبت' اطاعت اور عظمت سے لبریز ہوتے ہیں۔ مگر اس کمزور عورت کا دل جب رحمۃ عالم ﷺ کی محبت سے معمور ومنور ہوا تو سینکڑوں' ہزاروں' اولیا اللہ ایک طرف اور ایک عورت صحابیہ دوسری طرف' اپنے محبوب باپ کی محبت کا مقابلہ جب روحانی وابدی محبوب ﷺ کی محبت سے ہوا تو اپنے کافر باپ کو آپؐ کے بستر پاک پر بیٹھنے کے قابل نہ سمجھ کر بستر ہی الٹ دیا۔

حضرت ام حبیبہؓ بھی حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل ہیں۔ آپؓ عقد نکاح میں آنے سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں دونوں نے مسلمان ہونے کے بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کچھ عرصہ بعد ان کے خاوند حبشہ ہی میں مرتد ہو کر مر گئے۔ ام حبیبہ اسلام پر ثابت قدم رہیں حضورؐ نے عمرو بن امیہ کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ ام حبیبہ کو حضورؐ کے نکاح کا پیغام دے دیں۔ ام حبیبہ نے حضورؐ کی یہ خواہش خوش دلی سے قبول کر لی۔ نکاح وہیں ہوا نجاشی نے اپنی طرف سے مہر میں چار سو دینار مقرر کر کے ام حبیبہ جو کہ ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت معاویہ کی بہن تھی کا نکاح سید المرسلینؐ سے کر دیا۔ عقد کے بعد حضور کی خدمت میں مدینہ طیبہ آ گئیں۔ کفار مکہ کی مسلمانوں کے ساتھ صلح کے دور میں ابوسفیان مدینہ منورہ آئے تو بیٹی سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے' کمرہ میں داخلہ کے وقت ایک بسترہ بچھا ہوا دیکھ کر اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ بیٹی یعنی ام حبیبہ نے فوراً وہ بسترہ دوسرے طرف الٹ دیا کہ باپ اس پر نہ بیٹھ سکے۔ باپ نے بیٹی کی اس حرکت کو دیکھ حیران ہوا کہ مہمان اور پھر باپ کے آنے پر ہی ہر میزبان اور پھر بیٹی بٹھانے کے لئے جو میسر ہو عزت واحترام کے لئے بچھا دیتے ہیں' اور یہاں معاملہ الٹا ہوا جو بچھا ہوا تھا وہ بھی ہٹا دیا۔ ابوسفیان نے وجہ پوچھی۔ تو بیٹی نے کہا کہ یہ بسترہ محبوب خدا صلعم کے آرام کے لئے ہے ان کا پاک وصاف جسدِ اطہر اس بسترہ پر تشریف فرما ہوتا ہے۔ ایسے مقدس ترین آرامگاہ پر آپ کے نجس وکفر سے آلودہ بدن کو کیسے بیٹھنے کے لئے اجازت دوں۔ ام حبیبہ کے دل میں سرور کونین صلعم کی جو عظمت ومحبت تھی عشق ومحبت کے ان منازل کو پہونچ چکی تھی کہ اسے برداشت کرنا بھی ناممکن تھا کہ مشرک باپ ہو یا کوئی اور سید الانبیاء کے بستر پر بیٹھ سکے۔

یہ محبتوں سے بھری چند داستانیں ان پاک طینت شخصیات کی ہیں جن کے آج ہم اپنے آپ کو نام لیوا کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ ان حضرات نے اللہ اور رسول کی محبت کے دعویٰ کے راستوں میں دنیوی محبتوں کی جو قربانیاں دیں' کیا ایسے لمحات آنے پر ہم ان کے نقش قدم اور سیرت پر چلنے کے لئے آمادہ ہیں؟ ہم نے اللہ کی خاطر' رسول کی محبت اور اسلام کے لئے کیا کیا؟ صحابہ کرام نے تو اللہ ورسول کی خاطر اپنے عیش آرام' عزیز واقارب' دینوی جاہ وجلال سب کو خیر آباد کہا۔

آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی میں مطالبہ ہو رہا ہے کہ مومن کے لئے ضروری ہے کہ اللہ ورسول سے اس کی محبت اپنے جان ومال اولاد اور ہر چیز سے زیادہ ہو تو اس اعلیٰ محبت کا تقاضا کیا ہے اس کا ذکر انشاء اللہ اگلے جمعہ کو ہوگا۔

مولانا محمد عرفان الحق اظہار حقانی

مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

عالم اسلام صلیبی دہشت گردی کے نرغہ میں

اسلام آباد اور لاہور میں مولانا سمیع الحق صاحب کی معرکۃ الآراء نئی کتاب ''صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام'' کی تقریب رونمائی کی رپورٹیں پچھلے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ 27 اگست 2004ء کو کراچی کے آواری ہوٹل میں رونمائی کی تقریب کی رپورٹ شائع کی جا رہی ہے۔ کراچی کے چیدہ ممتاز علماء سیاستدانوں ممبران پارلیمنٹ' ممتاز صحافیوں اور کالم نگاروں نے اظہار خیال کیا جس کے چیدہ چیدہ حصے شامل کئے جا رہے ہیں۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض مولانا مفتی محمد عثمان یار خان صاحب نے انجام دیئے۔ تقریب کے حاضرین میں درجنوں شہرہ آفاق علماء و فضلاء اور دانشوروں کے علاوہ سندھ کے وزیر اعلیٰ ارباب غلام رحیم بھی مہمان خصوصی کے طور پر موجود تھے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے کئی حضرات کو اظہار خیال کا موقع نہ مل سکا۔.............(ادارہ)

شیخ الحدیث مولانا نازرولی خان صاحب۔ مہتمم جامعہ احسن العلوم کراچی

ہمارے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی طرف سے ایک بڑی کتاب آئی ہے اصل میں کتابیں تو اس دنیا میں لکھی جاتی ہیں۔ علماء اہل قلم اور اہل تحقیق اسے پڑھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاد جب آگے ہوتا ہے تو سب لوگ ساتھ ہوتے ہیں لیکن جہاد جب تکوینی حکمت کے تحت کچھ دیر کے لئے رک جائے اس وقت امتحان شدید ہوتا ہے کہ آیا اب بھی کچھ لوگ جہاد کے ساتھ چل سکتے ہیں یا نہیں۔ مولانا کی کتاب ایک ایسے زمانے میں میدان میں آئی ہے۔ کہ شاید کچھ کروٹیں سوجھ رہی تھیں۔ اور کچھ پریشانیاں بڑھ رہی تھیں۔ ٹھیک ہے حضرت مولانا مدظلہ بہت قدیم صاحب قلم ہیں اور جس طرح آپ انہیں دنیا کے علوم وفنون میں جانتے ہیں اور ہم مدرس اور حدیث وتفسیر وفقہ کے اساتذہ بھی آپ مدظلہ کو ۴۰۔۴۵ سال سے کامیاب استاد جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے انٹرویوز کے ذریعے حق کی نمائندگی فرمائی ہے۔ اس سے مغرب کو یا دیگر اسلام دشمنوں کو فائدہ پہنچے یا نہیں وہ احتمال ہے لیکن اپنے جو بعض احوال میں متاثر ہیں امید ہے کہ اگر وہ انصاف سے اور عدل سے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے روز اپنے آپ کو جوابدہ سمجھے اس کو پڑھ لے۔ تو صرف یہ نہیں کہ وہ خوش ہوں گے۔ بلکہ وہ ایک مبلغ اور مناظر بن کر اسلام سے دہشت گردی کے الزامات ہٹانے کے اقدامات کریں گے۔ مولانا ہمارے اس شہر میں تشریف لائے ہیں ہمارے محترم ومکرم مہمان ہیں' ان کے حکم کی تعمیل میں مجھ عاجز کو بھی یہاں حاضر ہونا پڑا۔ باقی کتاب کا جو عنوان ہے وہ خود جہاد ہے۔

جہاد مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے۔ جہاد مار دھاڑ کو نہیں کہتے جیسے کہ بعض غلط لوگ سمجھتے ہیں جہاد اسلام کے پیغام کو عزت و احترام کے ساتھ دوسرے انسانوں تک پہنچانے کو کہتے ہیں جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر جناب نبی کریم ﷺ کل کائنات جن وانس فرش سے عرش تک قیامت تک مبعوث ہیں تو ہم لوگوں کو ماریں گے، پیٹیں گے؟ پھر وہ ہمارے اسلام کو کب قبول کریں گے ہاں جو مرنے کے قابل ہوں گے وہ تو ہسپتالوں میں بھی مرتے ہیں اور ڈاکٹروں کے سامنے بھی، چھرا ہاتھ میں ہوتا ہے، ٹانکیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انتقال ہو گیا ہے۔ وہ اس کی ایک ضرورت ہے مجبوری ہے۔ اس قسم کے شبہات غلط قسم کے وساوس شیطانی پروپیگنڈے جس نے ناسور کی شکل اختیار کی تھی حضرت مولانا کے فاضلانہ قلم بروقت مجاہدانہ شان اور حق کی نمائندگی نے ایسے شیطانی خیالات کی کمر توڑ دی اللہ اس کتاب کو اس کی شان سے بڑھ کر مقبولیت نصیب فرمائے۔ اور مولانا کے لئے اور جملہ اہل اسلام کے لئے دونوں جہانوں کے افتخار کا باعث بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا اسعد تھانوی صاحب۔ امیر جمعیت علما اسلام صوبہ سندھ

قابل احترام مولانا سمیع الحق صاحب جناب ارباب غلام رحیم، چیف منسٹر سندھ اور جناب معزز علماء کرام اور محترم حاضرین مجلس یہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہے کہ جناب مولانا سمیع الحق صاحب کی گزشتہ پانچ چھ سالوں پر مبنی جو انٹرنیشنل میڈیا کے انٹرویوز ہیں وہ اس کتاب کے اندر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جس میں پاکستان اسلام اور جہاد پر تمام باتیں نکھر کر سامنے آ گئی ہیں اور ڈاکٹر عبدالرشید صاحب کے اس تجویز کا بھی خیر مقدم کرتا ہوں کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ کیا جائے تاکہ یورپ اور امریکہ میں بسنے والے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ درحقیقت دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک وہ جگہ ہے کہ جہاں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جب تشریف لائے تو وہاں جہاد کا معرکہ ہوا اور تقریباً ۷۰۔۸۰ آدمیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ جن کے مزارات وہاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان شہداء کے خون کی وجہ سے اس سرزمین کو منتخب کیا اور افغانستان میں جب روسی استبداد نے اپنے پنجے مسلمانوں کے ملک میں گاڑے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق اس خطے کو عطا فرمائی اور دارالعلوم حقانیہ کو جہاد اور حق کا مرکز بنایا تھا، اور یہاں سے مجاہدین گئے روسی استبداد کی یہ حالت تھی کہ وہ ستر برسوں میں جہاں بھی گیا وہاں سے واپس نہیں ہوا۔ لیکن افغانستان واحد جگہ ہے کہ جہاں آ کر نہ صرف اس کو واپس جانا پڑا بلکہ U-S-R-F کے نام سے یہ مملکت ختم ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم حقانیہ اور اس کے بانی مولانا عبدالحقؒ اور مولانا سمیع الحق کو یہ اعزاز اور منصب عطا فرمایا، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا وقت کم ہے۔ اشارہ میں نے کر دیا۔

۱۹۸۰ء کے بعد ملک میں جتنے بھی دینی اتحاد بنے ہیں جن کی طرف علامہ رشید ترابی نے اشارہ کیا کہ دیوبندی بریلوی شیعہ سنی تمام مسالک کے لوگ الحمد للہ اس میں مولانا نے ہراول دستے کا کردار انجام دیا ہے۔ مولانا

سمیع الحق صاحب امت مسلمہ کو جوڑنے اور مختلف مسالک کو اکٹھا کرنے اور جو قرآن پاک میں ھو سماکم المسلمین یعنی بحیثیت مسلمان کے اپنی شناخت کو آگے لانے میں مولانا سمیع الحق صاحب نے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اور ۹۰ء کے عشرے میں جو اہم کردار انجام دیئے اس کا نتیجہ آج آپ پارلیمنٹ میں متحدہ مجلس عمل کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کتاب کے اندر جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اگر آپ اس کا شروع سے آخر تک مطالعہ کریں تو ایک بیباک اظہار خیال آپ کو ملے گا جیسا کہ مجھ سے پیشرو مقررین نے کہا' مولانا زرولی خان نے بڑی خوبصورت بات کہی کہ جب جہاد تیزی کے ساتھ چلنے لگتا ہے تو لوگ اس کے ساتھ چلتے ہیں لیکن جب تکوینی طور پر وہ معاملہ رکتا ہے تو لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ لوگ جہاد کا نام لینے اور بات کرنے سے پیچھے ہٹتے ہیں مولانا سمیع الحق صاحب نے اس معاملہ کو اس کتاب کے تمام صفحات کے اندر خوش اسلوبی کے ساتھ اور بالکل ایک قلندرانہ طریقہ پر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور پاکستان کی اور اسلام کی جو صحیح شکل ہے وہ الحمدللہ اس کتاب کے ذریعہ آگے آئی ہے۔ میں مولانا صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور اس بات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ آج ہمارے اس پروگرام میں تشریف لائے اور اسے رونق بخشی۔ واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

معروف اہل قلم محمود شام صاحب۔ روزنامہ ''جنگ''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ صاحبِ کتاب جناب مولانا سمیع الحق صاحب' صدر مجلس و صاحب کتاب ارباب غلام رحیم' وزیر اعلیٰ سندھ اور معزز علماء کرام یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ملک کے جید علماء کرام یہاں رونق افروز ہیں اور ایسے مدارس اور درسگاہوں کے مہتمم اور اساتذہ تشریف فرما ہیں جو الحمدللہ حق کی اشاعت میں پیش پیش ہیں کہنے کو تو ہمیشہ اس ملک میں کہا جاتا رہا ہے کہ پاکستان اپنی تاریخ کے خطرناک دور سے گزر رہا ہے۔ لیکن اس وقت یقیناً یہ ایک بہت بڑی سچائی اور حقیقت ہے کہ پاکستان کو اس وقت تاریخ کے سب سے بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اندرونی حقائق سے واقفیت رکھنے والے یہ محسوس کررہے ہیں کہ پاکستان کے وجود کو بھی خطرات لاحق ہیں۔ ۴۸ء کے اوراق گواہ ہیں کہ جب عقائد میں بنیادی تبدیلیاں آرہی ہوں یا عقیدتیں آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو ذہنوں میں طوفان اٹھتے ہیں۔ سوچوں میں تلاطم برپا ہوجاتے ہیں اور دیواریں لرزنے لگتی ہیں۔ آپ کو یقیناً یہ احساس ہوگا کہ افغانستان اور کشمیر میں جہاں کافی عرصہ سے جہاد جاری تھا اور جن نوجوانوں نے وہاں اپنی جانیں بھی قربان کیں اور بہت سے مظالم برداشت کئے۔ اسوقت وہ کیا کررہے ہیں ان شہداء کی قربانیاں کس طرح رنگ لارہی ہیں اور ان مجاہدین کے خاندانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ کل ہم جنہیں مجاہد کہتے تھے اور حکومت و مملکت بھی ان کا اعزاز و اکرام کررہی تھی آج انہیں دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے۔ انہیں گرفتار کیا جارہا ہے۔ اور حوالات میں ان پر بڑے سخت حالات گزر رہے ہیں تو یہ امت مسلمہ کے لئے ایک بحران اور ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے۔ جہاں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمیں اس وقت فکری طور پر کیا کرنا چاہیے یہ

جو سنگین صورتحال ہے اور اس میں زیادہ تشویش اور فکر کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں امت مسلمہ کی بھاگ دوڑ ہے اور وہ لوگ جو اس وقت مملکت خداداد پاکستان کی قیادت کرر ہے ہیں ۔ انہیں ان خطرات کا پوری طرح احساس بھی ہے یا نہیں آج کی کتاب ''صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام'' یقیناً ان خطرات اور چیلنجوں کے حساب سے معمور ہے ۔ اور یہ جن کا بھی فیصلہ تھا یقیناً قابل تحسین تھا کہ پاکستان کی تاریخ کے انتہائی اہم ادوار میں دیئے گئے مولانا سمیع الحق صاحب کے یہ خصوصی انٹرویوز کتابی شکل میں یکجا کئے جائیں ان انٹرویوز کے مطالعے سے یقیناً آپ کو وہ سب عسکری معرکے اور خطرناک لمحات سامنے آجائیں گے ۔ اور یادیں تازہ ہوں گی جو ۱۱ ستمبر سے کچھ عرصہ پہلے تھے ۔ اور جواب عالم اسلام کو درپیش ہیں ۔ اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور اپنے تمام جنگی ساز وسامان' سائنسی تحقیق اور مال دولت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جس پر دنیا بھر میں بہت کچھ لکھا جارہا ہے ۔ میں گزشتہ برس امریکی حکومت کی دعوت پر ایک مطالعاتی دورے پر گیا تھا تو وہاں امریکی حکومت' یونیورسٹیوں' سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور پینٹاگون کے عزائم کا بھی علم ہوا کہ وہ آئندہ کے لئے کیا منصوبہ بندی کرر ہے ہیں ۔ اس سلسلہ میں مَیں ایک کتاب بھی لکھ رہا ہوں جس میں یہی درد ہے جو آج اس کتاب میں بھی ہے کہ عالم اسلام کے مستقبل کو درپیش خطرات اور ان کے لئے مسلمان امت کو کیا کرنا چاہیے اور آج کل ہمارے ہاں زیادہ طرح جو سلسلہ چلا ہے وہ یہ کہ جو بھی جہادی تنظیمیں رہی ہیں انکے ہاں پاکستان کی محبت اور حب الوطنی نہیں ہے؟

تو اس کا جواب بارہا مولانا سمیع الحق نے اپنے انٹرویو میں دیا ہے ۔ ایک اقتباس جو ابھی تک پیش نہیں کیا گیا میں یہ ضرور پیش کرنا چاہوں گا کہ سوال کیا گیا کہ کیا میں یہ سمجھوں کہ یہ تعصب پر مبنی ہے جو اسلامی بم کہتا ہے تو مولانا نے جواب دیا کہ بلاشبہ یہ تعصب پر مبنی ہے ہم آپ کے ہزاروں بم برداشت کرتے ہیں اور آپ ہمارا اتنا چھوٹا سا بم برداشت نہیں کرتے ۔ ایک ارب ہندو ہمارے سر پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ ہمیں ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کرتے جب ان کا بم بنا تھا تو آپ شور نہیں مچا رہے تھے کہ ہندو بم بن گیا' ہمارا بم بن گیا تو آپ روٹھ گئے ۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ الزام بھی عائد ہوتا ہے اور اس وقت بھی یہ سلسلہ چل رہا ہے کہ ''سب سے پہلے پاکستان'' کے سلسلہ میں ہمارے علماء وکرام اور جہادی تنظیمیں اور دینی مدارس پاکستان کو سب سے پہلے ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے ۔ پورے ملک میں یہ ایک ڈیبیٹ ہے تو اس کے لئے بھی یہ کتاب مفید ہے ۔ یقیناً بعض اور کئی جگہیں ہیں اس میں جہاں مولانا نے کھل کر پاکستان کی بحیثیت مملکت مکمل دفاع کیا ہے ۔ اس وقت امریکہ اور یورپ میں بھی بہت سی کتابیں چھپ رہی ہیں ۔ ۱۱ ستمبر کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ دنیا بھر میں اسلام کو سمجھنے کی ایک تحریک اور جذبہ پیدا ہوا ہے اور بہت سی کتابیں اس سلسلہ میں غیر مسلم مفکرین نے بھی لکھی ہیں اور خود مسلمانوں نے بھی ایسی کتابیں لکھی ہیں جس سے امریکہ اور مغرب کے جو ریڈر ہیں ان کی زبان' ان کی اصطلاحات' ان کے ذہن کے مطابق

لکھی گئیں ہیں تاکہ وہ سمجھ سکیں۔ایک کتاب حال ہی میں نیویارک کے ایک امام جس کا مصر سے تعلق ہے فیصل عبدالرؤف کی آئی ہے What is Right in Islam امریکی معاشرے کے حوالے سے انتہائی اہم ہے کہ ان کی زبان میں، ان کی اصطلاحات وتراکیب سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ امریکہ اور مغرب اب جن اقدار پر فخر کررہے ہیں۔انصاف حقوق انسانی جدید علوم وہ سب اسلام کی اعلیٰ اقدار ہیں اور انہوں نے بڑا اچھا پوائنٹ یہ دیا ہے کہ نظریات کا مقابلہ عمل سے کیا جارہا ہے۔اس لئے شوریٰ اور پریکٹس کا کچھ اچھا ابہام پیدا ہورہا ہے۔یہ ضروری ہے کہ نظریئے کا نظریے سے اور عمل کا عمل سے موازنہ کیا جائے۔عالم اسلام میں بعض ملکوں میں اسلام کے اعلیٰ اقدار پر عمل نہیں ہورہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی تعلیمات اعلیٰ اقدار نہیں رکھتی ہیں یا اعلیٰ اقدار کی قائل نہیں ہے۔آج کی کتاب میں بہت سے ایسے چبھتے ہوئے سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں جس سے یہ ایک تاریخی دستاویز بن گئی ہے۔لیکن اس کے باوجود بہت سے سوالات ہیں جو آج ہمارے معاشرے اور ہمارے ذہنوں میں پیدا ہورہے ہیں اور میں یہاں وہ عرض کرنا چاہوں گا اس لئے کہ ہمارے علماء کرام بیٹھے ہوئے ہیں وہ جان لیں کہ پاکستانی نوجوانوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوالات موجود ہیں ان کا جواب دینا چاہیئے، ہماری کوشش ہونی چاہیے جنہوں نے جدید علوم حاصل کئے ہیں وہ اور جنہوں نے دینی علوم حاصل کئے ہیں وہ لوگ ایک دوسرے کے قریب آجائیں۔کیونکہ دنیا اس وقت پھیل چکی ہے اس کی وجہ سے اور زیادہ فاصلے پیدا ہورہے ہیں۔اور یہ دونوں طبقات الگ الگ جزیروں میں رہنے لگے ہیں۔آج کل دینی مدارس خاص کر گفتگو کا موضوع ہے ان میں نصاب کی تبدیلی کے لئے بھی باتیں ہورہی ہیں۔ایک سوال میرے ذہن میں ہمیشہ آتا ہے کہ جب نویں اور دسویں صدی ہجری میں مسلمان علماء سائنس، ریاضی، کیمسٹری اور ان تمام علوم میں دنیا بھر کے علماء سے آگے تھے اور جو اس وقت کی اعلیٰ ترین تعلیم اور علم ہوسکتے تھے وہ ان کے پاس تھے۔اور ان میں وہ تحقیق بھی کررہے تھے۔تصنیفات بھی ان کی آرہی تھیں اور تدریس میں بھی مصروف تھے تو وہ سلسلہ ہمارے ہاں کیوں رُکا ہوا ہے؟ اس پر ایک تحقیق ہونی چاہیے۔جس طرح وہاں مغرب میں یہ سارے سلسلے چل رہے ہیں تو ہمارے ہاں یہ تحقیق رُک کیوں گئی ہے؟ اسی طرح یہ بھی بار بار اس کتاب میں ذکر ہے کہ مولانا کے مدرسے سے پڑھنے والے افغانستان میں انقلاب لے آئے۔لیکن یہ مدرسہ جو ایک طویل عرصہ سے یہاں کے پڑھنے والوں کو تعلیم دے رہا تھا تو یہاں پڑھنے والے کیوں انقلاب نہ لاسکے اس میں کیا رکاوٹ تھی؟ اور پھر جو یہ انقلاب افغانستان میں اٹھا اور وہاں ایک نظام قائم ہوا وہ اتنی جلدی کیسے آیا؟ اور اتنا جلدی کیوں چلا گیا؟

آج کل F.C کالج کا دور ہے ہمارے مشرف صاحب چیف منسٹر پنجاب پاکستان F.C کالج سے پڑھے ہوئے ہیں۔کبھی یہاں ہارڈ ورڈ والے حکومت کرتے رہے، کبھی یہاں آکسفورڈ والے حکومت کرتے رہے۔ان کی

حکومتیں زیادہ دیر تک کیوں چلتی رہیں؟ اور یہ حکومت کیوں زیادہ دیر نہ چلی؟

دوسرا یہ کہ دینی مدارس میں جو افراد اس وقت تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ لوگ مؤجد اور محقق کیوں نہیں بنتے؟ یہاں سے سائنسی ایجادات کیوں نہیں ہورہی ہیں؟ اور نئے علوم جو اس وقت دنیا بھر میں ہیں اس میں وہاں تحقیق کیوں نہیں ہوتی؟ یہ سوال بھی ہمیشہ سے رہا ہے کہ ہمارے علماء کرام نے اب تک کیوں ایک نظام حکومت (ایڈمنسٹریٹیو سسٹم) فائنینشنل سسٹم (اقتصادی نظام) پیش نہیں کیا۔

اب ماشاء اللہ مجلس عمل میں سب مسالک کے لوگ جمع ہیں تو ان کو چاہیے کہ ایک ایسا نظام پیش کریں جسکے بارے میں لوگ کہہ سکیں کہ یہ ہمارا ایڈمنسٹریٹیو سسٹم ہوسکتا ہے۔ اور یہ ہمارا دفاعی نظام ہے۔ اور یہ ہمارا اقتصادی نظام ہے یہ لوگ الزام لگاتے ہیں کہ دینی مدارس میں ایسی تعلیم نہیں دی جاتی جو آج کے معاشرے کی ضرورت ہے اور جو یہاں عملی طور پر لاگو ہوسکے یہ ہمارا دفاعی نظام اگر عملی طور پر قائم ہوتا تو افغانستان میں مقابلہ زیادہ دیر تک کیا جاسکتا تھا۔ اور اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سوویت یونین کا انجام ہماری وجہ سے ایسا ہوا ہے تو امریکہ کو ہم اپنے انجام سے کیوں دوچار نہ کرسکے؟ اور اسی کی مثال ہے کہ عراق میں یہ مزاحمت زیادہ دیر تک کیوں نہیں چلی؟ ایک بات جو میرے لئے زیادہ ضروری ہے جو میں نے شروع میں ذکر کی کہ افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں ہمارے نوجوان ایک عشق اور جذبہ کے تحت شمولیت کے لئے گئے۔ اس کے بعد ۹/۱۱ کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے جب مملکت کی پالیسی میں تبدیلی آئی تو ہم یکسر سارے جذبے اور دینی وابستگی کو بھول گئے ہیں اب ان کے ساتھ ہماری مملکت' ہماری انتظامیہ ایسا سلوک کررہی ہے جیسے جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تو اس پر غور کرنا چاہیے کہ ان کے جو خاندان تھے انہوں نے دینی جذبات کے تحت اپنے نوجوانوں کو وہاں بھیجا تھا ان کے جذبات اب بھی وہی ہیں ان کے جذبات پر ایک تحقیق ہونی چاہیے کہ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ اور اگر وہ جہاد کا جذبہ مملکت کی اور عالم اسلام کی ضرورت تھی تو یقیناً اگر ایک آدمی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے تو یہ بہت بڑی طاقت رکھتا ہے وہ آپ کے مثبت مقاصد کے لئے بھی استعمال ہوسکتی ہے اس پر ہمارے علماء کرام کو سیاستدانوں کو اور ہمارے چیف منسٹر صاحب ادھر بیٹھے ہیں' سوچنا چاہیے کہ یہ صورتحال جو اس وقت پورے ملک میں ہے اس پر غور کرنا چاہیے۔

قاری شیر افضل خان صاحب۔ جمعیت علماء اسلام (ف)

قابل قدر مجاہد ملت جناب مولانا سمیع الحق صاحب اور جناب ارباب غلام رحیم صاحب۔ وزیر اعلیٰ صوبہ سندھ اور جناب محمود شام صاحب سے پہلے میری تقریر ہوتی تو شاید میں کچھ کہہ دیتا۔ بہر حال جناب شام صاحب نے جو سوالات اٹھائے ہیں تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ روس کو ہم نے ختم کیا تو اب امریکہ کو ختم کیوں نہیں کرسکتے؟ اللہ تعالیٰ میرے ذہن میں سوال کا جواب ڈال دیتا ہے یہ جواب میرے ذہن میں پہلے نہیں تھا۔ اس وقت جب روس کو ختم

کیا جارہا تھا تو پاکستان کے لوگ جو مجاہدین تھے وہ بھی اور دنیائے اسلام سے آئے ہوئے مسلمان مجاہدین بھی اور پاکستان آرمی بھی سب یک زبان ہو کر روس کے خلاف لڑ رہے تھے اب امریکہ سے لڑنے کا موقع آیا تو مجاہدین تو اسی جذبہ سے کام کر رہے تھے لیکن دوسری قوتوں نے اپنا رخ بدل دیا۔ صلیبی دہشگردی کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا اب صلیبی دہشگردیہ جو مولانا نے کتاب لکھی ہے یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس سے پہلے بھی برصغیر میں جب مسلمانوں کا خون یہ لوگ بہاتے رہے تو انہوں نے اپنا ایک کمیشن قائم کیا۔ جنہوں نے آ کے یہاں رپورٹ تیار کی پوچھا گیا کہ ہم نے اتنے لاکھ انسانوں کو قتل کر دیا ہے 12000 ہزار کے قریب تو علماء کو درختوں کے ساتھ پھانسی دی گئی تو ایسی صورت میں اب بتاؤ کہ مسلمان پھر ہمارے خلاف جنگ کر سکتے ہیں۔ ان کے اپنے لوگوں نے یہ رپورٹ دی کہ ہاں ان کے اندر ایک جذبہ ہے ان کے پیغمبر نے ان کو بتایا ہے کہ الجہاد ماض الی یوم القیامہ۔ لیڈر مل گیا تو یہ پھر مجاہد نکل پڑیں گے۔ انہوں نے پھر کہا اب کیا کریں اس جذبے کو کیسے ختم کریں تو انہوں نے کہا کہ اسلام کو نقصان اپنوں سے پہنچاؤ اب بھی جو نقصان پہنچ رہا ہے اپنوں سے ہے، غیروں سے نہیں۔ وہ تلاش میں لگ گئے کہ مسلمان مولوی کو اتنا مانتا ہے۔ تو میرے دوستو! بات یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے اندر ایک غدار تلاش کیا جس کا نام تھا مرزا غلام احمد قادیانی تو انہوں نے کہا کہ ایک ایسا شخص جو انگریز سرکار کی سرپرستی میں نبوت کا اعلان کرے وہ دوسرے افراد تو کام کر گئے ہیں لیکن اب ایک مذہبی شخص کی ضرورت تھی تو مذہب کے حوالے سے مرزا غلام احمد قادیانی کا انتخاب ہوا اس نے کہا میرے آنے کے بعد جہاد حرام ہے اس نے انگریز کی پوری پشت پناہی کی انگریز جس کے ساتھ ہوتا ہے وہ بڑا بہادر ہوتا ہے، بڑے نعرے لگاتا ہے، اس نے بھی نعرہ لگایا کہ جہاد میرے آنے کے بعد حرام ہے۔ اب اگر علماء نہ ہوتے اور اس کا مقابلہ نہ کرتے تو ہر آدمی سوچتا کہ حرام موت کیوں مرے، ہر آدمی یہ سوچتا کہ حرام موت مرنے کی کیا ضرورت ہے لہذا یہ سلسلہ (جہاد) ختم ہو جاتا۔ یہ تو آپ اکثر سنتے آئے ہیں کہ جعفر از بنگال اور صادق از دکن یعنی اپنوں ہی سے غدار ملے اور اسلام کو نقصان پہنچایا جہاد کو ختم کرنے کی بات کرنے والا قادیانی کا مقابلہ بھی ہوا، کس نے کیا؟ کون سے طبقے نے کیا؟ آج بھی صلیبی دہشت گردی کا مقابلہ کون کر رہا ہے؟ اس وقت بھی علماء نے کیا اور آج بھی علماء کر رہے ہیں چونکہ وقت مختصر ہے تو میں مولانا سمیع الحق کو یہ ہمارے بہت پرانے مہربان بزرگ دوست ہیں، انہوں نے جس جرأت سے کام کیا ہے۔ اس وقت جو کتاب لکھی ہے میں ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور یہ جب بھی ہمیں کوئی ایسی آواز دیں کہ آپ نے یہ کام کرنا ہے تو ہم ان کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ (سامعین سے) آپ بھی کہو گے یا نہیں مولانا یہ قوم ظالموں سے تنگ آ چکی ہے، صلیبی دہشگردوں سے تنگ آ چکی ہے۔ اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم میں سے کوئی غدار پیدا نہ ہو جائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

.... (جاری ہے)

عبداللہ عباس ندوی

دینی مدارس اسلام کا معجزہ ہیں

دینی تعلیم کے مراکز اب نشانے پر ہیں' نشانہ موجودہ دنیا کی بڑی طاقت کا ہے۔ جس کے پاس آتش و آہن کا بڑا ذخیرہ ہے' دنیا کے مالیاتی نظام پر قبضہ ہے۔ وسائلِ اطلاعات پر جس کے کارندے چھائے ہوئے اور پوری دنیا میں اپنا جال بچھائے ہوئے ہیں۔ مشرق و مغرب کی حکومتیں جس کے سامنے لرزاں و ترساں ہیں۔ وہ حریف سمجھ رہی ہیں پھوس کے چھپر کے نیچے ٹاٹ اور چٹائی پر بیٹھے ہوئے چند بچوں کو اور ان کے معلموں کو' الزام یہ ہے کہ دنیا میں یہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ خدا کا نام اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو زندہ کئے ہوئے ہیں۔ دہشت گردی یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کی طاقت تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اور قتل و غارت گری کو برا سمجھتے ہیں۔ انسان کی حق تلفی اور اس کے حقوق کی پامالی کے یہ مخالف ہیں' ''فتنوں سے بچو'' ''فتنوں سے پناہ مانگو'' جنگ کرتے ہیں' انسان کے سرکی عزت کرتے ہیں' اور ہر انسان کو یکساں طور پر ایک مالک کا بندہ قرار دیتے ہیں اور تو اور یہ موت سے بھی نہیں ڈرتے' ان کو قتل کیجئے یا کچل دیجئے' ناقابل تصور انسان دشمنی کے مظاہرے کیجئے مگر یہ قال اللہ و قال الرسولؐ کہنے والے اپنی جگہ سے ٹلتے نہیں' اور اپنے عقائد پر جمے ہوئے ہیں' ہٹتے نہیں۔...... یہی عقیدہ مسلم دشمنی کا سبب بنا ہے۔ امریکہ کے صدر نے جامع ازھر کے شیخ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے نصاب بدل دیں' قرآن کا منتخب حصہ پڑھائیں جس کو یہود سمجھ سکیں۔ شیخ الازہر نے جرأت اور بیباکی کے ساتھ صدر امریکہ کی اس رائے کو ناقابل عمل قرار دیا۔ احتجاج کیا' اور آگاہ کر دیا کہ ازہر نہیں بلکہ پورے مصر کو تباہ و برباد کرنے کے بعد بھی اسلامی عقائد اور امن پسندی اور انسانی دوستی کی روح سلب نہیں کی جاسکتی' مصر کے بعد اب نمبر آیا ہے۔ برصغیر کے مدارس اور اسلامی درسگاہوں کا' پڑوسی ملک نے آج سے دس سال پہلے مدارس کے خلاف آواز اٹھائی اور مدارس کو چندہ دینے والوں سے احتجاج کیا۔ ہندوستان کے حکمراں مسلم دشمنی میں کسی سے کم نہیں۔ لیکن دوراندیش سیاستداں اور تجربہ کار ہیں' ان کو معلوم ہے کہ اتنی بڑی قوم کو سمندر میں غرق نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ساتھ مل کر رہنا ہے۔ اور ان کے عقائد کو وہ برسہابرس سے نہیں بلکہ صدیوں سے دیکھتے آرہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی ابھی تک کوئی منفی قدم نہیں اٹھایا ہے' مگر طاقت کے نشے میں چور'' ورلڈ آرڈر'' کے پردہ میں شہنشاہ زمن اپنی خداوندیت کا امتحان لے رہے ہیں' اور سب سے پہلے ذرائع رزق پر پہرے بٹھا رہے ہیں' جیسا کہ معلوم ہے کہ مالیاتی نظام انکے ہاتھ میں ہے' جو افراد یا جماعتیں کارِ خیر میں تعاون کرنا چاہتی ہیں' ان کے ہاتھ پکڑنا' ان کو بے دست و پا کرنا پہلا آتشیں گولا ہے' جو اپنی دانست میں یہودی طاقت نے تیار کیا اور نصاریٰ نے داغنا شروع کیا ہے۔

تاریخ میں یہ پہلی بار مسلمانوں پر یورش نہیں ہے' انہوں نے اپنا خون بہایا ہے اور اتنا بہایا ہے کہ دجلہ اور فرات کے پانی کا رنگ بدل گیا تھا اور بیت المقدس کی سڑکوں پر اس درجہ مسلم خون کی ہولی کھیلی گئی کہ اونٹوں کے ٹخنے تک رنگین ہوگئے' لیکن اسلام صرف باقی نہیں بلکہ بڑھتا رہا' پھیلتا رہا' اور اس کے درخت برگ و بار لاتے رہے' دین کو سایہ اور پھل دیتے رہے اور تاریخ نے ان کے عزم و عزیمت کی داستانیں محفوظ رکھی ہیں۔...... یہ مدارس اسلام کا معجزہ ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہیں۔ ان کو کون مٹا نہیں سکتا۔ ان کا وجود سرمدی ہے' ان کی بقاء بقائے آسمانی ہے۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے اس کی اذانوں سے فاش سِرِّ کلیم و خلیل

بحث ونظر
(آخری قسط)

جناب محمد مشتاق احمد
لیکچرر شعبۂ اسلامیات' پشاور یونیورسٹی

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

ثانیاً: نقض معاہدہ اور نبذ معاہدہ

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی (جسے اصطلاحاً نقض کہا جاتا ہے) دو طرح سے ہوتی ہے؛ صراحتاً اور دلالۃً۔ اول الذکر صورت میں ایک فریق دوسرے فریق کو واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہے کہ خود کو معاہدے کا پابند نہیں سمجھتا۔ دوسری صورت میں نقض کی تصریح تو نہیں ہوتی لیکن ایک فریق اس طرح کا رویہ اختیار کر لیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو معاہدے کا پابند نہیں سمجھتا۔ (۹۴) نقض کی ہر دو صورتوں میں اسلامی ملک کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اعلان کیے بغیر ہی اس فریق کے ساتھ جنگ کا آغاز کرے۔ تاہم اگر نقض صریح نہ ہو بلکہ دلالت پر مبنی ہو اور معاملے میں کچھ ابہام پایا جاتا ہو تو اسلامی ملک یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گا کہ کیا فریق مخالف خود کو معاہدے کا پابند سمجھتا ہے اور نقض معاہدہ صرف چند لوگوں کا ذاتی فعل ہے یا متعلقہ حکومت ہی اب معاہدے سے آزاد ہونا چاہتی ہے۔ یہ معلوم کرنا اس لئے ضروری ہوگا کہ اسلامی ملک کہیں خود ہی نقض معاہدہ کا مرتکب نہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے یہی صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب بنو قریظہ کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ معاہدہ توڑنا چاہتے ہیں تو آپ نے حالات معلوم کرنے کے لئے ان کے سرداروں کے پاس وفد بھیجا جس نے واپس آکر تصدیق کی کہ وہ معاہدہ توڑنا ہی چاہتے ہیں۔ اس کے بعد جب حملہ آور لشکر واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فوراً ہی بنو قریظہ پر حملہ کیا اور اس سلسلے میں کوئی باقاعدہ اعلان نہیں کیا۔ (۹۵) اسی طرح جب اہل مکہ نے خزاعہ پر حملہ کر کے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک وفد ان کے پاس بھیجا جس نے ان کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں: یا تو خزاعہ کو تاوان اور دیت ادا کریں؛ یا مجرموں کی حمایت سے دستکش ہوں؛ اور یا معاہدۂ حدیبیہ کو ختم قرار دیں۔ قریش کے نوجوانوں نے جوش میں آکر اس آخری بات کو قبول کیا اور بزرگ اس پر خاموش رہے یا چند نے ان کی حمایت بھی کی۔ (۹۶) بعد میں ان کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو پشیمانی ہوئی اور انہوں نے حضرت ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے بھیجا مگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے ملاقات نہیں کی اور وہ یکطرفہ طور پر معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کر کے واپس لوٹ گئے۔ تاہم اس یکطرفہ

اعلان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی، کیونکہ معاہدہ ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ معاہدے کے لئے دونوں فریقوں کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرف لشکر کشی کی اور ان کی غفلت میں ہی مکہ کے دامن تک پہنچ گئے۔ پھر اہل مکہ کو دروازے کھولنے ہی پڑے۔

قرآن کریم نے بھی نقض معاہدہ کی بعض صورتوں کا ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ایسی صورتوں میں معاہدہ ختم سمجھا جائے گا:

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم۔ (۹۷)

''بجزان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کے پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مقررہ مدت تک عہد پورا کرو۔''

الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانھم و ھموا باخراج الرسول و ھم بدء وکم اول مرۃ۔ (۹۸)

''کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنے عہد توڑ دیے اور جنہوں نے رسول کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا اور زیادتی ابتدا بھی انہوں نے کی؟''

امام نووی نے نقض معاہدہ کی صورتوں میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر کیا ہے: اسلامی ملک پر حملہ کرنا، حملہ آوروں کی مدد کرنا، اسلامی ملک کے کسی باشندے کی جان یا مال پر تعدی کرنا۔ (۹۹)

اگر دوسرے فریق نے ابھی نقض معاہدہ نہیں کیا مگر اس بات کے واضح اشارے مل جائیں کہ وہ نقض معاہدہ کا ارتکاب کرنا چاہتے ہیں اور کسی مناسب موقع پر اچانک ہی اسلامی ملک پر حملہ کرلیں گے تو ایسی صورت میں مسلمان از خود معاہدے کے خاتمے کا اعلان کر سکتے ہیں، البتہ وہ جنگ سے پہلے فریق مخالف کو مناسب موقع دیں گے، یعنی اس پر اچانک ہی حملہ نہیں کریں گے۔ارشاد باری تعالی ہے:

و اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء۔ (۱۰۰)

''اور اگر تمہیں کسی قوم کی جانب سے خیانت کا قوی اندیشہ ہو تو اس معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔''

یہ حکم متوقع نقض (Anticipated Breach) کی صورت میں ہے نہ کہ عملاً واقع شدہ نقض (Actual Breach) کی صورت میں۔ (۱۰۱) یہ بھی واضح رہے کہ یہ ساری بحث امن کے معاہدات سے متعلق ہے۔ دیگر معاہدات کی خلاف ورزی ضروری نہیں کہ اعلان جنگ کے مترادف سمجھی جائے۔

بین الاقوامی قانون کے ماہرین کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ عملاً نقض واقع ہو جائے تو کیا معاہدہ برقرار رہے گا یا دوسرا فریق بھی معاہدے کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ''معاہدات کے متعلق میثاق ویانا'' نے معاہدات ختم کرنے کے سلسلے

میں تین بنیادیں بھی تسلیم کی ہیں: ایک فریق کی جانب سے نقض معاہدہ؛ معاہدے کا ناممکن العمل ہو جانا؛ اور حالات کا یکسر تبدیل ہو جانا۔ (۱۰۲) میثاق ویانا کے مطابق عملاً نقض واقع ہونے کی صورت میں بھی معاہدہ برقرار رہتا ہے اور دوسرا فریق معاہدے سے تبھی آزاد ہو سکے گا جب وہ باقاعدہ طور پر معاہدے کے خاتمے کا اعلان کرے۔ (۱۰۳) تاہم ریاستوں اور قانون کے ماہرین کی جانب سے اس شق پر مسلسل اعتراض کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ (۱۰۴)

ایک درمیان کی راہ بعض ماہرین نے یہ نکالی ہے کہ معاہدے کی بعض اہم شقوں (Material Conditions) کی خلاف ورزی معاہدے کے ختم کر دینے کے مترادف ہوتی ہے، جبکہ بعض غیر اہم شقوں کی خلاف ورزی کی صورت میں معاہدہ برقرار رہتا ہے۔ چنانچہ اگر امن کا معاہدہ ہوا ہے اور ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ کرے یا ایسی کاروائی کرے جو حملے کے مترادف ہو تو ایسی صورت میں معاہدے کے برقرار رہنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ ایسی صورت میں متاثرہ فریق کے پاس جوابی کاروائی کا حق ہوگا۔ تاہم اگر معاہدے میں کوئی ضمنی امر بھی طے ہوا ہو اور ایک فریق اس سے متعلق شق کی خلاف ورزی کرے تو اس سے معاہدہ ختم نہیں ہوگا۔

مثال کے طور پر پاکستان اور بھارت کے درمیان شملہ معاہدے کے تحت طے پایا ہے کہ دونوں فریق تمام تنازعات پرامن ذرائع سے حل کریں گے۔ اب اگر ایک فریق دوسرے پر حملہ کرے (جیسے بھارت نے ۱۹۸۴ء میں سیاچن پر کیا تھا یا پاکستان نے ۱۹۹۹ء میں کارگل پر کیا تھا) تو دوسرے فریق کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ معاہدے کو ختم تصور کرے۔ اسی معاہدے میں یہ بھی طے پایا تھا کہ کوئی فریق متنازعہ امر کو بین الاقوامی فورم پر دوسرے فریق کی مرضی کے خلاف نہیں لے جا سکے گا۔ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو بین الاقوامی فورم پر لے جانے کی جو کوششیں کیں وہ اس شق کی خلاف ورزی پر مبنی تھیں تاہم اس طرح کی خلاف ورزی سے معاہدہ ختم نہیں ہو سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون اور موجودہ بین الاقوامی قانون کا اس سلسلے میں کچھ خاص اختلاف نہیں ہے، تاہم مسلمان ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ بین الاقوامی فورم پر قانون سازی کے مرحلوں میں خصوصی دلچسپی لیں اور کاروائی میں عملی حصہ لیں تاکہ اسلامی قانون کی دفعات بین الاقوامی قانون کا باقاعدہ حصہ بن جائیں۔

ثالثاً: مسلمانوں پر ظلم اور معاہدۂ امن

جیسا کہ پیچھے واضح کیا گیا، اگر کسی علاقے میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو تو ان کی مدد اسلامی ملک پر لازم ہو جاتی ہے اور یہ مدد بعض اوقات باقاعدہ فوجی حملے کی صورت میں مطلوب ہوتی ہے۔ تاہم اسلامی ملک اس میں لازماً لحاظ رکھے گا کہ وہ امن کے معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرے۔

و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق۔ (۱۰۵)

''اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے

تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو۔''

بعض علماء کی رائے ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت اپنی مسلمان رعایا پر ظلم کرتی ہے تو اس سے وہ معاہدہ از خود ختم ہو جاتا ہے جو اس نے اسلامی ملک کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ گویا مسلم رعایا پر ظلم کو دلالۃً نقض سمجھ لیا جاتا ہے۔[۱۰۶] تاہم یہ موقف مذکورہ بالا آیت کریمہ سے متصادم ہے۔ اس آیت کریمہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلامی ملک کا غیر مسلم ملک سے امن کا معاہدہ ہوا ہے اور وہ غیر مسلم ملک اپنی مسلمان رعایا پر ظلم کرے تو ہم ان مظلوم مسلمانوں کی مدد اس وقت تک نہیں کر سکیں گے جب تک معاہدہ برقرار رہتا ہے۔ گویا ان کی مدد کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ اس معاہدۂ امن کے خاتمے کا اعلان کیا جائے۔

دراصل لوگوں کو فقہاء کی بعض عبارات کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ فقہاء نے قرار دیا ہے کہ اگر غیر مسلم جن کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے کسی مسلمان کو قتل کر دیں تو اس سے ان کے ساتھ کیا گیا معاہدۂ امن ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض عبارات میں تو صراحتاً غیر مسلم ذمی کے قتل کی صورت میں بھی یہی حکم بیان ہوا ہے۔ اب ذمی کے لفظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور ان عبارات کا ان کے سیاق وسباق اور دیگر نصوص کی روشنی میں مطالعے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اسلامی ملک کے کسی باشندے پر ظلم ہو، چاہے وہ باشندہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ گویا اسے اسلامی ملک پر حملہ تصور کیا جاتا ہے اور، جیسا کہ پچھلی سطور میں واضح کیا گیا، حملے ہونے کی صورت میں اسلامی ملک کے لئے ضروری نہیں رہتا کہ وہ معاہدہ ختم ہونے یا جنگ شروع ہونے کا باقاعدہ اعلان کرے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امن معاہدے میں یہ شرط رکھی جائے کہ مسلم رعایا کو مذہبی آزادی دی جائے گی اور ان کے حقوق غصب نہیں کیے جائیں گے۔ ایسی صورت میں اگر وہ معاہد ملک مسلم رعایا پر مظالم ڈھانا شروع کرتا ہے اور بالخصوص اسے مذہبی شعائر پر عمل سے روکتا ہے تو یہ نقض معاہدہ ہوگا تاہم کیا ایسی صورت میں معاہدہ ختم تصور ہوگا یا نہیں اس پر دو رائیں ہو سکتی ہیں: اگر اس شرط کو معاہدے کی بنیادی شروط میں شامل سمجھا جائے تو اس شرط کی خلاف ورزی پر معاہدہ ختم تصور ہوگا اور اسلامی ملک کو معاہدے کے خاتمے کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اگر اسے ایک ضمنی شرط تصور کیا جائے تو اس کی خلاف ورزی پر معاہدہ ختم نہیں ہوگا اور اسلامی ملک اقدام سے پہلے معاہدے کے خاتمے کا اعلان کرے گا۔ پس یہ حالات وقرائن پر منحصر ہوگا کہ اسے بنیادی شرط مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ معاہدہ اسی مقصد کے لئے کیا گیا تھا، یا اسے ایک ضمنی شرط سمجھا جائے جس کی خلاف ورزی پر اسلامی ملک کو یہ حق تو مل جاتا ہے کہ وہ جارح ملک کے ساتھ پرامن تعلقات ختم کرے لیکن اقدام سے پہلے وہ بہرحال معاہدے کے خاتمے کا اعلان کرے گا۔

رابعاً: امن معاہدات کا افراد پر اثر

اسلامی ملک جب کسی ملک کے ساتھ امن کا معاہدہ کرے تو اس کے تمام باشندے اس معاہدے کے پابند

ہو جاتے ہیں۔ مسلمان شہری نہ صرف خود اس معاہدے پر لفظ اور روح کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل کریں گے بلکہ حکومت کو بھی اس پر مجبور کریں گے کہ وہ معاہدے پر عمل کرے۔ اسلامی تاریخ میں اس کی کئی روشن مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان فقہاء نے حکومت وقت پر کڑی تنقید کی اور اسے معاہدے کی پابندی پر مجبور کیا۔(۱۰۷) پس اگر کہیں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور قرآنی حکم کے بموجب ان کی نصرت واجب ہو چکی ہو لیکن حکومت یہ عذر پیش کرے کہ جارح ملک کے ساتھ امن کے معاہدے میں بندھی ہوئی ہے تو مسلمان باشندے اس وقت تک مظلوم مسلمانوں کی مدد نہیں کر سکیں گے جب تک کہ حکومت اس معاہدے کے خاتمے کا اعلان نہ کرے۔ اگر ایسے میں چند لوگوں کی رائے یہ ہے کہ معاہدہ ختم ہونا چاہیے تو انہیں حق ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں رائے عامہ ہموار کریں اور حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ معاہدے کے خاتمے کا اعلان کرے۔ حکومت رعایا کی وکیل ہوتی ہے اس لئے وہ وہی فیصلہ کر سکتی ہے جس کے لئے رعایا نے اسے اختیار دیا ہو۔ مزید یہ کہ حکومت کی حیثیت راعی کی ہے اور حکمران کا فیصلہ تبھی صحیح ہوگا جب وہ مسلمانوں کی مصلحت پر مبنی ہو (تصرف الامام بالرعیة منوط بالمصلحة)۔ یہ بھی واضح رہے کہ مصلحت کا تعین کسی اٹکل پچو طریقے سے نہیں کیا جائے گا ، نہ ہی اسے عقل کے فیصلے پر منحصر رکھا گیا ہے، بلکہ مصلحت وہی جسے شریعت مصلحت کہے۔(۱۰۸) حاکم ایسا کوئی حکم نہیں دے سکتا جو شریعت کے خلاف ہو اور اگر اس نے ایسا کوئی حکم دیا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ عز و جل (۱۰۹) ''جس معاملے میں اللہ عز وجل کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔''

پس ایسی حکومت اپنا شرعی جواز کھو بیٹھتی ہے جو شریعت کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ ایسی حکومت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شریعت کی پیروی کرے اور اگر وہ شریعت کی مخالفت پر ہی مصر ہو تو اسے تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ کوشش پر امن ہی ہوگی، رائے عامہ ہموار کر کے حکومت کو تبدیل کیا جائیگا، مسلح کوشش صرف اس وقت کی جاسکتی ہے جب پر امن ذرائع سے تبدیلی ممکن نہ ہو، رائے عامہ حکومت کے خلاف ہو، اور مخالفین کے پاس اتنی قوت ہو کہ وہ ناجائز حکومت کو تبدیل کر کے صحیح حکومت قائم کر سکیں۔ اگر ان میں کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو مسلح جدوجہد نہیں کی جائیگی۔

ایسی صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور اسلامی ملک کی حکومت معاہدہ نہیں توڑنا چاہتی اور اس کی تبدیلی بھی ناممکن ہو یا بہت مشکل اور ضرورت فوری مدد کی ہو اس اسلامی ملک کے باشندوں کے پاس یہ راستہ ہے کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی نصرت اپنی انفرادی حیثیت میں کریں لیکن اس کے لئے انہیں اس اسلامی ملک کی شہریت چھوڑنی ہوگی کیونکہ اس ملک کے شہری ہوتے ہوئے وہ معاہدے کے پابند رہیں گے۔

هذا ما عندی و العلم عند اللہ و هو اعلم بالصواب و الیه المآب۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحیح باتوں کے لئے دلوں میں جگہ پیدا کرے اور غلط باتوں کے اثر سے ہم سب کو بچائے۔ آمین

حواشی

۱۔ سورۃ الفرقان، آیت ۵۲
۲۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۶۹
۳۔ سورۃ الحج، آیت ۷۸
۴۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۵
۵۔ سورۃ التوبۃ، ۸۶
۶۔ السیاسة الشرعیة، ص
۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجیے: ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقه الاسلامی، ص ۱۱۳ اور ۱۲۴ تا ۱۲۸
۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

Muhammad Mushtaq Ahmad, *Use of Force for the Right of Self-determination in International Law and Shari'ah - A Comparative Study*, unpublished thesis of LLM, Faculty of Shariah and Law, International Islamic University, Islamabad, 2004, pp 54-62

۹۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۵
۱۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجیے: مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ج ۲، ص ۶۹۱ تا ۶۹۸ اور ۷۲۷ تا ۷۲۹، نیز دیکھئے ج ۳، ص ۵۵۸ تا ۵۶۴۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: جاوید احمد غامدی، میزان، حصہ اول، دار الاشراق، لاہور، ۱۹۸۵ء، مقالہ ''نبی اور رسول''، ص ۹ تا ۳۰۔
۱۱۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۱۴
۱۲۔ سورۃ النساء، آیت ۱۶۵
۱۳۔ سورۃ یونس، آیت ۴۷
۱۴۔ سورۃ المجادلۃ، آیت ۱۹۔۲۰
۱۵۔ سورۃ ھود، آیت ۳۶
۱۶۔ سورۃ الحجر، آیت ۶۵
۱۷۔ سورۃ الشعراء، آیت ۵۲
۱۸۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۶
۱۹۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۰۔۸۱
۲۰۔ سورۃ الانفال، آیت ۳۲
۲۱۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۴۰
۲۲۔ سورۃ الانفال، آیت ۱۹
۲۳۔ سورۃ الرعد، آیت ۱۷
۲۴۔ سورۃ الفتح، آیت ۲۴۔۲۵
۲۵۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۵
۲۶۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث رقم ۲۴؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث رقم ۳۱
۲۷۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۳۳
۲۸۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب اجلاء الیھود من المدینة، حدیث رقم ۱۳۸۸، مسند احمد، باقی مسند الانصار، حدیث رقم ۲۵۱۴۸
۲۹۔ مغنی المحتاج، ج ۴، ص ۲۲۳؛ بدایة المجتهد، ج ۱، ص ۳۷۱
۳۰۔ فتح القدیر، ج ۴، ص ۲۹۱؛ بدایة المجتهد، ج ۱، ص ۳۷۱؛ المدونة الکبری، ج ۳، ص ۶؛ رسالة القتال لابن تیمیة، ص ۱۱۶
۳۱۔ سورۃ الممتحنۃ، آیت ۴
۳۲۔ سورۃ الممتحنۃ، آیت ۸
۳۳۔ سورۃ النساء، آیت ۹۰
۳۴۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۱۲۳
۳۵۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۰
۳۶۔ المبسوط، ج ۱۰، ص

۳۷۔ سنن ابی داود ، کتاب الجهاد ،حدیث رقم ۲۱۷۰ ۔ ۳۸۔ سنن ابی داود ، کتاب الجهاد ،حدیث رقم ۲۱۷۱

۳۹۔ مسند احمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ،حدیث رقم ۱۰۴۱

۴۰۔ سنن النسائی ، کتاب البیعة ،حدیث رقم ۴۱۲۴ ؛ سنن ابی داود ، کتاب الجهاد ،حدیث رقم ۲۱۵۴

۴۱۔ صحیح البخاری ، کتاب الجهاد و السير ، باب يقاتل مَنْ وراء الامام و یتقی به ،حدیث رقم ۲۷۳۷ ؛ کتاب الاحکام ، حدیث رقم ۶۶۰۴ ؛ صحیح مسلم ، کتاب الامارة ،حدیث رقم ۳۴۱۸

۴۲۔ سنن ابی داود ، کتاب الجهاد ،حدیث رقم ۲۱۷۱

۴۳۔ صحیح البخاری ، کتاب الجهاد و السير ،حدیث رقم ۲۸۴۳؛ صحیح مسلم ، کتاب الایمان ،حدیث رقم ۱۶۲

۴۴۔ کتاب الخراج ،ص ۲۱۵ ۔ ۴۵۔ المغنی ،ج ۸،ص ۳۵۲

۴۶۔ بدائع الصنائع ،ج ۷،ص ۱۰۹ ۔ ۴۷۔ المغنی ،ج ۸،ص ۳۵۳

۴۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: *Use of Force for the Right of Self-determination*, pp 216-226

۴۹۔ صحیح البخاری ، کتاب الجهاد و السير ،حدیث رقم ۲۸۱۴

۵۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: المبسوط ،ج ۱۰،ص ۴۷

۵۱۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: *Use of Force for the Right of Self-determination*, pp 95-111

۵۲۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: المبسوط ،ج ۱۰،ص ۔ ۵۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۸۶

۵۴۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۹۱ ۔ ۵۵۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۹۲۔۹۳

۵۶۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث رقم ۳۵۳۳ ۔ ۵۷۔ سورۃ النساء، آیت ۷۰۔۷۱

۵۸۔ سورۃ الانفال، آیت ۶۰۔۶۱ ۔ ۵۹۔ سورۃ الانفال، آیت ۶۶

۶۰۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۴۹ ۔ ۶۱۔ سورۃ النساء، آیت ۹۷۔۹۹

۶۲۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی ،ج ۸،ص ۴۸۷ومابعد ۔ ۶۳۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۶

۶۴۔ سورۃ الشوریٰ، آیت ۳۹۔۴۰

۶۵۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: *Use of Force for the Right of Self-determination*, pp 227-234

۶۶۔ سنن الترمذی ، کتاب الدیات ، حدیث رقم ۱۳۴۰ ۔ ۶۷۔ ایضاً، حدیث رقم ۱۳۴۱

۶۸۔ سنن النسائی ، کتاب تحریم الدم ، حدیث رقم ۴۰۲۵

۶۹۔ مسند احمد ، باقی مسند المکثرین ، حدیث رقم ۸۰۰۹

۷۰۔ المبسوط ،ج ۱۰،ص ۔ ۷۱۔ سورۃ النساء، آیت ۷۵ ۔ ۷۲۔ شامی، ج ۳،ص ۲۴۰

۷۳۔ تفصیل کیلئے دیکھئے:

Military and Paramilitary Activities in and against Nicaragua (*Nicaragua v USA*) 1984 ICJ Rep 392

۷۴۔ بدائع الصنائع، ج۷، ص۹۸
۷۵۔ سورۃ النساء، آیت ۷۵
۷۶۔ سورۃ الانفال، آیت ۷۲

۷۷۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

Use of Force for the Right of Self-determination, pp ; Professor N. D. White, *The Legality of Bombing in the Name of Humanity*, JCSL (2000), vol. 5 no. 1, p 32)

۷۸۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، ص۶۷۵

۷۹۔ سورۃ الانفال، آیت ۶۱
۸۰۔ سورۃ محمد، آیت ۳۵
۸۱۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۱
۸۲۔ احکام اھل الذمۃ، ج۲، ص
۸۳۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۳
۸۴۔ ایضاً، آیت ۵
۸۵۔ ایضاً، آیت ۴
۸۶۔ ایضاً، آیت ۱۔۲
۸۷۔ کتاب الام، ج۴، ص۰
۸۸۔ احکام اھل الذمۃ، ج۲، ص
۸۹۔ بدائع الصنائع، ج۷، ص۱۷۹
۹۰۔ حاشیۃ الدسوقی، ج۲، ص۱۹۰
۹۱۔ سورۃ الانفال، آیت ۵۸
۹۲۔ دفعہ ۵۶
۹۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے:

Linos Alexander Sicilianos, *The Relationship between Reprisals and Denunciation or Termination of a Treaty*, EJIL (1993) 341-359

۹۴۔ بدائع الصنائع، ج۷، ص
۹۵۔ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الاحزاب، حدیث رقم ۳۸۰۴
۹۶۔ الزرقانی بحوالہ مغازی ابن عائذ، ج۲، ۲۳۶؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ج۱، ص۲۹۴
۹۷۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۴
۹۸۔ سورۃ التوبۃ، آیت ۱۳
۹۹۔ المجموع، ج۲۱، ص۲۱۴
۱۰۰۔ سورۃ الانفال، آیت ۵۸
۱۰۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا مدرار اللہ مدرار، قول فیصل، ص۱۹۔۲۰
۱۰۲۔ دفعات ۶۰ تا ۶۲
۱۰۳۔ دفعہ ۶۵
۱۰۴۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ کریں:

Linos Alexander Sicilianos, *The Relationship between Reprisals and Denunciation or Termination of a Treaty*, EJIL (1993) 341-359; Benedetto and Angelo Labella, *Invalidity and Termination of Treaties: The Role of National Courts*, European Journal of International Law (http://ejil.org/journal/Voll/No1/art3.html)

۱۰۵۔ سورۃ الانفال، آیت ۷۲
۱۰۶۔ قول فیصل، ص۴
۱۰۷۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کریں: فتوح البلدان، ص۱۲۲ اور ۱۵۶
۱۰۸۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: امام غزالی، المستصفی من علم الاصول، ج۱، ص۲۱۶ تا ۲۲۳
۱۰۹۔ مسند احمد، مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ، حدیث رقم ۱۰۴۱

مولانا محمد اشرف علی اعظمی
متعلم تکمیل افتاء دارالعلوم دیوبند

مدارس اسلامیہ میں عصری علوم کتنے مفید، کتنے مضر

ام المدارس دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر قائم دیگر مدارس میں رائج نصاب تعلیم (درس نظامی) پر ایک عرصہ سے سوالات اٹھائے جارہے ہیں، اور دور حاضر کے ''تقاضوں'' کا حوالہ دے کر اس میں تبدیلی کا مطالبہ کیا جارہا ہے، یہ چیز اس لحاظ سے تو ان مدارس کے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کا سلسلہ تقریباً ایک صدی سے جاری ہے، لیکن گزشتہ چند سالوں سے جس طرح مدارس کے نصاب کو لے کر تبصرے ہورہے ہیں اور جس انداز سے مباحثے کی مجلسیں اور سیمیناروں کی بزم سجا کر اس پر رائے زنی کی جارہی ہے اس کی نظیر ماضی میں نہیں ملتی، اور اس سے ارباب مدارس میں تشویش کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔

ایک جانب تو حکومت کو شکایت ہے کہ: ارباب مدارس، ملک کے سیکولر نظام اور مذہبی آزادی کا فائدہ اٹھا کر، من مانے ڈھنگ سے مدارس کا نظام چلارہے ہیں، نہ تو انہیں قوم کی ترقی کا خیال ہے نہ ہی ملک کی خوشحالی کا، یہ ایک ایسی نسل تیار کررہے ہیں جو دوسروں پر بوجھ بنتی ہے، حالات زمانہ سے بے خبر رہتی ہے، اور ملک کی تعمیر وترقی سے اسے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا لہٰذا ارباب مدارس کو چاہیے کہ وہ اپنے نصابِ تعلیم میں ''جدید علوم'' کو جگہ دیں، اور طلبا کو باعزت شہری اور خودکفیل بنانے کی سبیل پیدا کریں۔''

دوسری طرف خود مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ، نصاب تعلیم کے حوالے سے، ارباب مدارس سے سخت نالاں اور شاکی ہے، اس طبقہ میں انگریزی خواں ''روشن خیال'' بھی ہیں اور قدیم وجدید کا ''سنگم'' کہے جانے والے مدارس کے فضلاء ومنتسبین بھی، انہیں شکایت ہے کہ:

دارالعلوم دیوبند اور اسکے ہم مشرب دیگر مدارس قوم کے مستقبل سے کھلواڑ کررہے ہیں، یہ ''شاہین بچوں'' کو ''خاک بازی'' کا درس دیتے ہیں، ''بایں طور'' کہ ان مدارس میں رائج نصاب، ماقبل نوآبادیاتی عہد کا ہے، اس کا دور شباب کبھی کا جاچکا، اس میں ضعیفی کے آثار نمایاں ہوگئے، پھر بھلا وہ موجودہ انقلابی واکتشافاتی دور کے تقاضے کیسے پورا کرسکتا ہے اور کہاں پورا کررہا ہے؟ یہاں سے فارغ ہونے والے ازبس کسی مسجد کے امام بن سکتے ہیں یا مؤذن، کسی مدرسے کے مدرس یا مکتب کے ''میاں جی'' اگر ہم نے تعلیم کو ان ہی پرانی زنجیروں میں جکڑے رکھا تو امت اسلامیہ کے

ساتھ شدید ناانصافی ہوگی اور آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کریں گی وغیرہ وغیرہ۔

دارالعلوم کا موقف:

یہ تنقیدیں اور تبصرے، دعوے اور دلیلیں اپنی جگہ، حکومت کے مشورے اور ہمدردیاں سرآنکھوں پر، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند اپنے موقف پر سختی سے قائم ہے، اور اپنے نصاب میں 'جدید علوم' کی عدمِ شمولیت پر پہلے سے کہیں زیادہ سختی سے کاربند اور پابند عہد ہے، ان تجویزوں اور تنقیدوں کے جواب میں دارالعلوم کا کہنا ہے:

'اپنے مقصد کی تکمیل میں مدارس کا موجودہ نصابِ تعلیم مفید اور پورے طور پر نتیجہ خیز ہے، اس لئے ہم نصاب تعلیم میں کسی بنیادی تبدیلی کو مدارس کے ''مقاصد اصلیہ'' کے لئے شدید مضرت رساں بلکہ ان کی روح کو ختم کرنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔''(۱)

دارالعلوم نہ صرف خود عصری علوم کی ''پیوندکاری'' کو مسترد کرتا ہے بلکہ وہ اپنے ہم مشرب دیگر مدارس کو (جو اسے اپنے مرکز کی حیثیت دیتے ہیں اور ہر مشکل گھڑی میں اس کی طرف رجوع کر کے اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں) بھی اپنے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے، اور تنظیم 'رابطہ مدارس' کے واسطے سے موقع بہ موقع ان کا نمائندہ اجتماع بلا کر انہیں ''پرانے شکاریوں'' کے ''نئے جال'' سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔

عصری علوم سے اجتناب کیوں؟

سوال یہ ہے کہ آخر دینی اداروں کو عصری علوم سے اس قدر بیر کیوں ہے؟ اور وہ انہیں ''شجرۂ ممنوعہ'' کیوں سمجھتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ نصابِ تعلیم کو فرسودہ کہنے اور اس میں تبدیلی کی تحریک چلانے والوں کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتے؟ اس معمہ کے حل کے لئے ہمیں چند باتیں ذہن میں رکھنی ہوں گی۔

۱۔ اول یہ کہ کسی بھی ادارے (یا تحریک) پر کوئی تبصرہ خواہ تنقیدی ہو یا 'توصیفی' کرنے سے قبل دیکھنا پڑے گا کہ اس ادارے کے مقاصد کیا ہیں؟ اور کن اہداف کو حاصل کرنے کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا ہے؟

۲۔ جن امور کو ادارے نے اپنے اہداف میں جگہ دی ہے وہ بجائے خود کتنی اہمیت کے کے حامل اور قوم وملت کے لئے کتنے ناگزیر، نفع بخش اور سودمند ہیں؟

۳۔ یہ کہ ادارے کی اب تک کی کارکردگی کیا رہی اور مقاصد کے حصول میں کتنی کامیابی ملی یا مل رہی ہے؟

یہ امور انتہائی اہم اور ضروری ہیں، ان کو نظر انداز کر کے کیا جانے والا کوئی تبصرہ یا تنقید نا قابل توجہ ہے اور دیا جانے والا کوئی مشورہ نا قابل عمل ہے۔

دینی مدارس، اہداف ومقاصد:

جب ہم مدارس کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے قیام کے پس منظر کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو واضح

طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے قیام کا بنیادی مقصد اس تحتی براعظم میں (جو مرکز اسلام سے ہزاروں میل دور ہا بلکہ روئے زمین پر شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز ہے) مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت، اسلامی شعائر کا تحفظ، علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت، پیغام محمدی کی تبلیغ ودعوت، مسلمانوں میں رائج بدعات وخرافات کا قلع قمع اور نئے نئے فتنوں کا تعاقب کرتا ہے، اکابر چاہتے تھے کہ مدارس کی چہار دیواریوں میں امت کے سعادت مند نونہالوں کو اسلامی تعلیم وتربیت سے آراستہ کر کے اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ ''مادیت'' کی تیز وتند آندھیوں میں ''روحانیت'' کے چراغ روشن کریں، سادہ اور قناعت کی زندگی اپنا کر، دین کی سربلندی اور گلشن محمدی کی آبیاری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں، ان اداروں کا قیام ہرگز اس لئے عمل میں نہیں آیا تھا کہ ان سے مادی فوائد حاصل کئے جائیں، اور دنیاوی خوشحالی کی راہیں آسان کی جائیں، اسی مقصد کو واضح کرتے ہوئے بانی دارالعلوم حضرت قاسم نانوتویؒ نے فرمایا تھا: ''ہم نے مدرسہ ملا، مولوی تیار کرنے کے لئے قائم کیا ہے جدید علوم کے لئے تو اور بہت سے دنیاوی ادارے ہیں''[۲]

اور حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کا قول ہے: ''ہمیں تو پیدا ہی ایسا آدمی کرنا ہے جس کا گاہک دنیا میں کوئی نہ ہو، اگر کوئی گاہک دنیا میں مل گیا تو وہ آدمی کام سے گیا''[۳]

مقاصد کی اہمیت:

ہم نے جن امور کو مدارس کے اہداف میں شمار کیا ہے ان سے ایسے لوگوں کو ضرور مایوسی ہوئی ہوگی جن کے نزدیک معدے کو معاد پر اور مادیت کو روحانیت پر فوقیت حاصل ہے۔ اور جنہیں اسلام سے زیادہ مسلمانوں کی (بحثیت ایک قوم اور نسل ہونے کے) ترقی کی فکر ہے، لیکن جنہیں بھی شاعر کے قول: ''قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں'' سے اتفاق ہوگا ان کو مذکورہ بالا مقاصد کی افادیت اور ناگزیریت سے انکار نہیں ہوسکتا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں: جب مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو علماء نے اسلامی شریعت وتہذیب کے قلعے قائم کر دئے آج اسلامی تہذیب ان ہی قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری طاقت وقوت ان ہی پر موقوف ہے''[۴] شاعر مشرق اقبال مرحوم کسی مدرسے سے فارغ ''خشک'' مولوی اور تنگ نظر ''ملا'' نہ تھے بلکہ وہ جدید تعلیم یافتہ ایک ''روشن خیال'' شخصیت کے مالک تھے، کالجوں میں تعلیم حاصل کی تھی، اور لندن وپیرس سے ڈگریاں لے کر آئے تھے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ انہیں اسلام سے سچا عشق تھا۔ اور خدا کی توفیق سے اپنوں کی ''سادگی'' اور ''غیروں'' کی ''عیاری'' سے بخوبی واقف تھے۔ ان کے سامنے ایک مرتبہ دینی مدرسوں اور مکتبوں کی شکایت کی گئی تو انہوں نے جو کچھ کہا (بلکہ ان سے جو کچھ کہلوایا گیا) وہ تاریخ کے صفحات میں آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، انہوں نے کہا: ان مکتبوں اور مدرسوں کو اپنی حالت میں رہنے دو اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں ان آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، جس طرح اسپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود آج غرناطہ وقرطبہ کے

کھنڈرات کے سوا اسلامی تہذیب کا کوئی نقش نہیں ملتا اسی طرح ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی تہذیب کا کوئی نشان نہ ملے گا۔ (۵)

حیرت انگیز کامیابی

کیونکہ ان قلعوں کی بنیادوں میں اکابر کے مقدس ہاتھوں سے اخلاص کی پاکیزہ مٹی لگی ہوئی تھی' اس لئے انہیں اپنے مقاصد میں حیرت انگیز کامیابی ملی اور ان چہار دیواریوں سے قلیل مدت میں ہزاروں مفسر' محدث' فقیہ' متکلم' مبلغ اور مناظر تیار ہو کر نکلے' جنہوں نے اسلامی تعلیمات کو گاؤں گاؤں اور گھر گھر پہونچایا' اسلام مخالف تحریکات کی سرکوبی کی' وطن عزیز کو انگریزی سامراج کے پنجوں سے آزاد کرایا' ناموس رسالت اور مقام صحابہ کی حفاظت کی' مادیت پرستوں کے ذلت آمیز نعرے ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کے مقابلے میں۔

ہم اپنا کیوں طرزِ فکر چھوڑیں' ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
کہ انقلاباتِ نو بنو تو ہوا کئے ہیں' ہوا کریں گے کی قلندرانہ صدا بلند کی

الغرض ان اداروں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود وہ سب کر دکھایا جو ایک عظیم اسلامی سلطنت کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے۔ اور اتنے بڑے پیمانے پر کیا جس کی نظیر پچھلی تین سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے:

دارالعلوم اور اس کے شانہ بشانہ سفر کرنے والے مدارس نے مختلف جہات میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کا آوازہ عالم کے کونے کونے میں بلند ہوا' علمی دنیا نے انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا' اور ان پر اعتراف و تحسین کے پھول نچھاور کئے' علامہ رشید رضا مصریؒ کی جلالت علمی سے کون انکار کرسکتا ہے' آپ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان تشریف لائے' ندوہ کے سالانہ جلسہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی' دیگر مکاتب فکر کے اصحاب سے ملاقات کا موقع ملا' آخر میں دیوبند تشریف لائے' یہاں کی علمی و روحانی فضا کو دیکھ کر ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا اور تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے نقش ہو گیا: اگر میں دارالعلوم کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت غمگین واپس جاتا (لو لم أرها لرجعت من الهند حزيناً) (۶)

کچھ تو ہے جس کی......

اوپر کی معروضات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دینی اداروں کے قیام کا اصل مقصد مسلمانوں کی دینی ضروریات کی تکمیل ہے نہ کہ دنیوی خوشحالی کے اسباب کی فراہمی' ان کی چہار دیواریوں میں دین کے دعاۃ اور اسلام کے شیروں کی نشوونما ہوتی ہے' نہ کہ دنیا کی وسعتوں کے ''طالبین'' اور آرائش جہاں کے ''متوالوں'' کی' لہٰذا ان کو اس لئے ہدفِ ملامت بنانا کہ یہاں سے ''رجال الدنیا'' اور عباد الدراہم والدنانیر'' نہیں پیدا ہوتے اور یہ ادارے

یونیورسٹیوں کی طرح وکیل' ڈاکٹر' انجینئر' صنعت کار اور فلم ساز فراہم نہیں کرتے' یا تو کم علمی کی وجہ سے ہے یا اس تنقید کے پس پردہ تنگ نظری اور عصبیت کارفرما ہے' کیا کسی کالج پر اس لئے انگلی اٹھائی جاسکتی ہے کہ وہاں سے علماء' حفاظ اور فقہا پیدا نہیں ہوتے؟ یا کسی صابن کی فیکٹری پر اس لئے لب کشائی کی جاسکتی ہے کہ وہ جوتے' کپڑے اور دودھ وغیرہ تیار نہیں کرتی؟ یہاں ایک سوال پید ہوتا ہے کہ کیوں نہ موجودہ نصاب کے اہم اور بنیادی مضامین' تفسیر' حدیث وفقہ کو اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے سائنس' جغرافیہ اور اس جیسے دوسرے ضروری مضامین کو بھی نصاب میں جگہ دی جائے؟ اس طرح ''قدیم صالح'' کے ساتھ ''جدید نافع'' کی آمیزش ہوگی' اور اس انوکھے امتزاج سے جو ''شرابِ طہور'' تیار ہوگی اسے پی کر تشنگان علم وفن' دور حاضر کے غزالی اور رازی بن کر نکلیں گے اور جدید فلسفہ کی بلند و بالا عمارت کی چولیں ہلا دیں گے۔ اور اس کی جگہ اسلامی تہذیب وتمدن کا شاندار قصر دوبارہ تعمیر کریں گے۔ یہ بات بظاہر جتنی پرکشش ہے' تجربہ اور مشاہدہ کی دنیا میں اسی قدر بے حیثیت اور نا قابل علم' ''قدیم صالح'' کے ساتھ ''جدید نافع'' کی پیوندکاری کے مبینہ نسخے پر عمل کیا جائے تو مغربی فلسفے کی چولیں شاید نہ ہلیں' اور غزالیٔ وقت' رازیٔ زمانہ کے پیدا ہونے کا خواب تو شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے لیکن اتنا ضرور ہے کہ ''قدیم'' کی ''صالحیت'' جدید کی ''نافعیت'' کے سیلاب میں بہہ جائے گی اور تعلیم وتربیت کا موجودہ کاروبار بھی (خواہ وہ کسی درجہ میں انجام پارہا ہو) ٹھپ پڑ جائے گا' کسی نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کو یہی مشورہ دیا تو آپ کی مومنانہ فراست نے جواب دیا: ''زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان رہتی ہے۔''(۷)

دوکشتیوں میں سوار:

ہمارے سامنے ان اداروں کا حال موجود ہے جنہوں نے دو کشتیوں پر بیک وقت سفر شروع کیا تھا' لیکن چند خوش قسمتوں کے علاوہ وہاں کے اکثر فضلاء ''نیم حکیم خطرۂ جان'' اور ''نیم ملا خطرۂ ایمان'' کا مصداق بن گئے ایسے ہی ایک ادارے کا حال بیان کرتے ہوئے صاحب موج کوثر لکھتے ہیں...... کا دعویٰ تھا کہ وہ قدیم وجدید بالفاظ دیگر علی گڑھ و دیوبند کا مجموعہ ہوگا لیکن جس طرح ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' نہ اچھا تیتر ہوتا ہے نہ اچھا بٹیر...... میں نہ علی گڑھ کی پوری خوبیاں آئیں اور نہ دیوبند کی۔(۷)

قدیم وجدید کی پیوندکاری کے نقصانات اگر صرف تعلیم ہی تک محدود رہتے تو بھی مدارس کو ان سے بچانا لازم اور ضروری تھا! لیکن دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اس کی زد تعلیم سے زیادہ تربیت پر پڑتی ہے' اسلامی روح طلبہ سے غیر شعوری طور پر رخصت ہونے لگتی ہے' خدمت دین کا جذبہ سرد پڑتا جاتا ہے اور ان کے افکار وخیالات پر جدیدیت و مادیت چھا جاتی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کا علمی وفکری تعلق اسی خانوادے سے تھا جس نے مدارس میں ''قدیم صالح'' اور ''جدید نافع'' کا دلفریب نعرہ سب سے اول بلند کیا تھا' لیکن سید صاحبؒ کو آگے چل کر جس تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا!

اس کا اندیشہ اکابر دیوبند نے پہلے بھی ظاہر کیا تھا اور آج بھی کر رہے ہیں' سید صاحب لکھتے ہیں: انگریزی خواہ علماء کی ضرورت جیسے جیسے روز بروز بڑھتی جا رہی ہے وہ تو معلوم ہے' لیکن مشکل یہ ہے کہ علماء انگریزی خواں ہونے کے بعد عالم نہیں رہتے (۸) غور کیجئے انگریزی خواں ہونے کے بعد طلباء عالم نہیں رہتے تو اربابِ مدارس' اپنے نصاب میں عصری علوم کی شمولیت کو بھلا کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟ ۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آخری بات

بلاشبہ یہ دینی ادارے (اپنے موجودہ نصاب ونظام پر باقی رہتے ہوئے) دینی وشریعت کی حفاظت کے سب سے مضبوط قلعے اور فتنوں سے بچاؤ کے محفوظ ترین جزیرے ہیں یہ ہمارے ہاتھوں میں اکابر کی مقدس امانتیں ہیں جن میں تصرف وتغیر اور ان کے بنیادی ڈھانچوں کو تبدیل کرنے کا حق ہمیں یا کسی کو ہرگز نہیں پہنچتا' لہذا انہیں ان کے اصلی نہج پر قائم رکھنا ہمارا فریضہ ہے' خصوصاً ایسے وقت میں جب باطل پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آچکا ہے اور ہمارے مذہبی شعائر اور تہذیب وتمدن کو مٹانے اور ملی تشخصات وامتیازات کو قصہ پارینہ بنادینے کا تہیہ کر چکا ہے' خدانخواستہ اگر ہم نے طعن وتشنیع کی تیز وتند آندھیوں سے گھبرا کر اور مادیت کے طوفانِ بلاخیز سے خوف کھا کر ان اداروں کی ماہیت کو تبدیل کر دیا اور انہیں مدارس نما کالجوں اور حرم نما بتکدوں میں بدل دیا تو یہ ایک ایسا جرم ہوگا جس کی تلافی کبھی نہیں کی جاسکتی اور آنے والی نسلیں ہمیں ہرگز معاف نہیں کریں گی۔

فطرت' افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

حواشی

۱۔ جدید سکریٹری رپورٹ رابطہ مدارس عربیہ ص۔۶۸
۲۔ ماہنامہ دارالعلوم اکتوبر ۱۹۹۴ء
۳۔ دینی تعلیم کی موجودہ صورتحال' ص۔۱۰
۴۔ خوں بہا' ص۔۴۲۹' بحوالہ الجمعیۃ دینی مدارس نمبر ص:۱۳
۵۔ موج کوثر: ص ۲۱۰
۶۔ سوانح قاسمی' ج:۲' ص:۲۸۳
۷۔ موج کوثر: ص:۱۹۲
۸۔ تاریخ ہندوستان' ج:۳ ' ص:۲۴۵

حافظ محمد ابراہیم فانی

استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا حافظ مفتی رشید احمد صاحب صدیقی حقانی رح

چند آنسو ۔ چند یادیں

صرف چند آنسو بہت تھے شرح غم کے واسطے
کیا خبر تھی منتظر دریا کا دریا دل میں ہے (ڈاکٹر عارفیؒ)

مورخہ ۲۱ رمئی ۲۰۰۵ء کو حسب معمول ہم درس میں مصروف تھے کہ ایک طالب علم نے ایک رقعہ دیا۔ جس میں برادر محترم و مرحوم حافظ رشید احمد صاحب ابن قطب الاقطاب فقیہہ العصر پیر طریقت استاذی و استاذ العلماء والصلحاء شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد فرید صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ وبفیوض علومہ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع تھی۔ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد کیا۔ ان کی مغفرت کے لئے اجتماعی دعا کی گئی۔ اور دماغ میں فوراً علامہ اقبالؒ کا یہ شعر مستحضر ہوا کہ

نہیں بیگانگی اچھی رفیق راہ منزل سے
ٹھہر جا اے شرر ہم بھی تو آخر مٹنے والے ہیں

اس خبر وحشت اثر اور واقعہ فاجعہ سے دل غم واندوہ اور درد و کرب کے ایک عجیب بحر محیط اور سیل بیکراں میں ڈوب گیا اور اللہ کی شان صمدیت آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہوئی۔ ع ما پروریم دشمن وما کشیم دوست

مگر قادرا قدرت تو داری ہر چہ خواہی آں کنی مردہ راجانے تو بخشی زندہ را بے جاں کنی

آپ کے والد محترم اور ہمارے انتہائی شفیق و مہرباں استاذ ہزاروں علماء وصلحاء کے شیخ و پیر طریقت حضرت مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے دل پر اس بیماری کی حالت میں کیا بیتی ہوگی؟ اور کیا گزری ہوگی؟ اس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنے جگر گوشے حضرت ابراہیم کی وفات پر فرماتے ہیں: وانا لبفراقک یا ابراهیم لمحزونون ۔ مگر اللہ والوں کی شان نرالی ہوتی ہے ان کی ادائیں انوکھی اور ان کا انداز جدا ہوتا ہے۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

اور کیوں نہ ہو جن کا اوڑھنا بچھونا ہی سنت رسول ﷺ ہو اور جن کے ہر عمل سے اتباع حضور ﷺ کا پَرتو جھلکتا ہو ان کی طمانیت وسکینت کا کیا عالم ہوگا۔ ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا　　جب مے یہ تو نے ایسی شیشے میں بھری ہوگی

چنانچہ اسی وقت عازم زروبی (ہم ایک ہی گاؤں زروبی ضلع صوابی کے رہنے والے ہیں) ہوا۔ جانے سے پہلے محترم مولانا مفتی سیف اللہ صاحب حقانی' استاذ حدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے پاس گیا' انہوں نے اس حادثہ جانکاہ کی خبر سنتے ہی اپنا درس بیضاوی شریف موقوف کیا تھا اور طلباء کو برائے ایصال ثواب ختم قرآن پاک کا فرمایا تھا۔ راقم جب ان کے پاس حاضر ہوا تو آپ طلبہ دورۂ موقوف علیہ سمیت تلاوت قرآن کریم میں مصروف تھے' ان کے ساتھ ملا' تو وہ بھی انتہائی پژمردہ اور اندوہ گیں تھے' مجھے فرمایا' صاحب حق صاحب یہ کیا ہوا' اور پھر فرمایا: کہ اب ہماری باری ہے

؎ موت سے کس کو رستگاری ہے　　آج وہ کل ہماری باری ہے۔

واذا حملت علی القبور جنازۃ　　فاعلم بانک بعدھا محمول

راقم نے انہیں عرض کیا' کہ آنجناب کا کیا پروگرام ہے میں تو ابھی جارہا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم بعد میں جنازہ کے لئے حاضر ہوں گے۔ چنانچہ بندہ اکیلا گاؤں روانہ ہوا۔ راستے میں حافظ صاحب مرحوم کے ساتھ طالب علمی کے زمانے کی باتیں اور تقریباً بیس سالہ رفاقت کی یادیں ستانے لگیں اور یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ساتھ کیسے اور کس انداز میں تعزیت کروں کیونکہ میں خود اپنے آپ کو قابل تعزیت سمجھتا تھا جیسے جیسے فاصلے گھٹتے رہے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی گئی' تا آنکہ جب اڈہ پر اترا تو ایک ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ مولانا رشید احمد کی میت ابھی دس منٹ پہلے ایمبولینس میں گاؤں کو لائی گئی۔ تقریباً سوا گیارہ بجے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ہاں پہنچا آپ کے برادرزادے مولانا امداد اللہ حقانی نے بتایا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ بیٹھک میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ دبے پاؤں ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا' سلام کیا' مفتی صاحب مدظلہ نے پوچھا کس وقت آئے' عرض کیا کہ ابھی آپہنچا۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اللہ والوں کی شان نرالی ہوتی ہے۔ آپ تسلیم ورضا کے مظہر اتم اور مرضئ مولا از ہمہ اولیٰ کے مصداق کامل جن کو دیکھ کر دل کی بیقراری جو کہ تلاطم خیز اور موجزن تھی اس میں یک گونہ سکون محسوس کیا' سبحان اللہ' پھر تعزیت کرنے والے مشائخ علماء صلحاء اور دینی مدارس کے طلبہ خواص وعوام کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ اور مفتی صاحب صبر ورضا کے پیکر تشریف فرما تھے' جن کی خاموشی میں ہم جیسے بیقراروں کے لئے ہزار سامان موعظمت میسر تھا' ہر آنے

والا حیرت و استعجاب کے عالم میں دوسرے ساتھیوں سے کہتا' دیکھئے حضرت مفتی صاحب کتنے پرسکون ہیں!! اوران کا پُرنور چہرہ کس قدر طمانیت سے بھرپور ہے اور یہ ہی ان قدسی صفات ہستیوں اور خدا' کی برگزیدہ بندوں کی نشانیاں ہیں' بقول مولانا حالیؔ

شادمانی میں گزرتے اپنے آپے سے نہیں غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

یہی وہ نور کے پتلے ہیں کہ جن ود یکھ کر خدا یاد آجائے۔ اذا رأوا ذکر اللہ اورانہیں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے

۔الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون ۔الذین آمنوا وکانو یتقون لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرہ (الآیۃ)

الغرض غم واندوہ کے کوہ گراں کے باوجود ایک سکوت بیکراں کا منظر تھا گو کہ بظاہر لب خاموش تھے لیکن ہر نفس حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ساتھ شریک غم' اور دلوں سے مرحوم کے لئے مغفرت کی دعائیں نکلتی تھیں۔

نماز جنازہ کے لئے عصر کی نماز کے بعد کا وقت مقرر کیا گیا تھا' چنانچہ وقت مقررہ پر مشائخ وعلماء صلحاء وطلبہ اور عوام وخواص کی کثیر تعداد موجود تھی' دارالعلوم حقانیہ کے مشائخ واساتذہ کرام وطلبہ کے علاوہ سرحد بھر سے اکثر مدارس کے شیوخ وطلبہ جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے' صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے ممبران سینٹ وقومی وصوبائی اسمبلی اور بعض وزراء بھی اس موقع پر موجود تھے' نمازِ عصر کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے خود اپنے لختِ جگر کا جنازہ پڑھایا۔ آہ گردشِ دوراں اور فلک پیر کی نیرنگیوں نے یہ دن بھی ایک بیمار شیخ وقت کو دکھائی کہ وہ اپنے جگر گوشے کی لاش پر جنازہ کی تکبیر پڑھ رہا ہے۔ اللہ اکبر!! اللہ اکبر کہتے وقت ان کے دل پر کیا بیتی ہوگی۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

جنازہ کے بعد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مولانا امان اللہ صاحب مدظلہ اور مولانا حمد اللہ جان صاحب ڈاگئی نے مختصر خطابات فرمائے۔ جنازے میں مشائخ علماء وصلحاء اور دینی علوم کے طلبہ کا جم غفیر اور کثیر تعداد ان کی مقبولیت عنداللہ کی واضح دلیل تھی۔ فضا سوگوار تھی لیکن ایک عجیب سکون کے ساتھ' جس کا نظارہ بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ بہرحال ہزاروں اشکبار آنکھوں سے ان کی میت لحد کے حوالہ کردی گئی۔ منھا خلقنا کم و فیھا نعید کم و منھا نخرجکم تارۃ اخری

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے استاذ استاذ ابراہیم ذوقؔ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ذوقؔ اس بحر فنا میں کشتیٔ عمر رواں
جس جگہ پر جالگی بس وہ کنارہ ہوگیا

یا بقول خواجہ الطاف حسین حالی

آلگا حالی کنارے پر جہاز الوداع اے زندگانی الوداع

مرحوم مولانا حافظ رشید احمد صاحب حقانی استاذی واستاذ العلماء والصلحاء پیر طریقت فقیہ دوراں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ کے فرزند ہیں۔ یہ علمی خانوادہ برسوں سے تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرتا چلا آرہا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔ موضع زروبی ضلع صوابی صوبہ سرحد سے ان کا تعلق ہے۔ انہی علماء وصلحاء کی بدولت علمی دنیا میں اس قصبے کا بہت مقام ہے۔ راقم نے اس قصبہ کی عظمت پر نظم لکھی ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے مرے مسکن زروبی نازش فصل بہار تیرے آب صاف پر مغرب کے میخانے نثار
علم کے چشمے یہاں پھوٹے کہ جن کے فیض سے ایک عالم پر ہے طاری وجد و مستی کا خمار
صدیوں سے آرہا ہے مرجع اہل سخن نام اس کا جب رہا پہلے زروبی سے منار
قافلے آن قدسیوں کے تھے یہاں پر خیمہ زن جن کی عفت پر ہے شاہد گردش لیل و نہار
اس کی آغوش محبت میں پلا اک نازنین وہ تکلم کا امام وآیہء پروردگار
وہ شہ اقلیم عرفاں حضرت عبدالحلیمؒ آسمانِ علم کے خورشید تاباں نامدار
اس کے باسی ہیں بہت دلدادگانِ علم وفن اس کے فرزندوں میں ہیں نام آوران روزگار
ملتے ہیں یاں پر بہت سے اہل دل درد آشنا غالب و بیدل کے میخانے کے چندیں میکسار
حافظ و سعدی و رومی فکر کے مسند نشیں حضرت اقبال پر مٹتے ہیں جو دیوانہ وار
حشر تک فانی اسی کا بانکپن باقی رہے پھر یہ تیر کج ادائی اس کا ہو ہر دل کے پار

راقم اور مولانا رشید احمد رحمہ اللہ زمانہ طالب علمی میں اکثر کتابوں میں ہم درس اور ہم سبق رہے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

انہوں نے جب مڈل کا امتحان دیا تو دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا اور راقم الحروف نے میٹرک کے بعد دارالعلوم حقانیہ سے باقاعدہ اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا، جن مشائخ عظام اور اساتذہ کرام سے ہم نے اکتساب فیض کیا ان کے نام اور اسماء گرامی یہ ہیں۔ امام المتکلمین صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی قدس سرہ مفتی اعظم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدنی مدظلہ، حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد حسن جان المدنی مدظلہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب دیروی فاضل دارالعلوم دیوبند قدس سرہ حضرت مولانا محمد علی سواتی صاحبؒ فاضل مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب

دیروی مدظلہ‘ حضرت مولانا فضل مولیٰ صاحب حال مہتمم دارالعلوم عربیہ اسلامیہ دلبوڑی اوگی‘ حضرت مولانا محمد ہاروت صاحب سواتیؒ اور حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ۔

کتابوں کے ساتھ ساتھ ہم دونوں حفظ بھی کیا کرتے تھے۔آپ مشہور قاری مولانا قاری علی الرحمان صاحب ہزاروی مدظلہ (نابینا) سے قرآن پاک حفظ کیا کرتے تھے اور وہ انکے استاذ تھے اور راقم الحروف ان کے پاس تجوید وقرأت سیکھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔انتہائی مشفق ومہربان اور بے حد محنت اور محبت کرنے والے فرشتہ سیرت انسان۔ایک وقت میں کئی کئی طلبہ ان سے سبق پڑھتے۔کسی کو مشق کراتے‘ کسی سے منزل سنتے۔کسی کو جمال القران وغیرہ کا درس دیتے‘ اور یہ تمام کام ایک ہی وقت میں ہوتا تھا‘ ہم کبھی کبھی طالب علمانہ شوخیوں کی بدولت از راہ امتحان سبق غلط پڑھتے اور اندازہ لگاتے کہ قاری صاحب ہماری غلطی پکڑتے ہیں یا نہیں۔تو آپ فوراً ہماری طرف منہ پھیرتے اور فرماتے کہ او.......... کیا پڑھتے ہو‘ کیسے پڑھتے ہو کیا پڑھا‘ دوبارہ سناؤ۔ایک دفعہ اس بات پر بحث چلی۔ کہ ذہن بسیط ہے ایک وقت میں کئی امور کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔میں نے از راہ تفنن کہا کہ ہمارے قاری صاحب کا ذہن اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔

اکثر جمعہ کی رات ہم دونوں بہت دیر تک گپ شپ میں مصروف رہتے‘ ہمارے اکثر ساتھی آپ کو حاجی صاحب کے نام سے پکارتے گو کہ آپ اس وقت حج بیت اللہ شریف سے سعادت یاب نہیں ہوئے تھے۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عظیم شرف سے نوازا۔جب آپ ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے‘ تو حضرت مفتی صاحب مدظلہ آپ کو ملا صاحب کہہ کر پکارا کرتے تھے کسی نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے استفسار کیا‘ کہ آپ کیوں ان کو ملا صاحب سے پکارتے ہیں۔فرمایا کہ یہ اس لئے کہ یہ ابتداء سے اس لفظ سے مانوس ہو جائے کیونکہ بعض علمی خانوادوں کے بچے مولوی صاحب کے نام پر شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔

انہیں دنوں مدرسہ میں ہفتہ وار طلبہ کی انجمنیں ہوا کرتی تھیں اور مختلف اضلاع اور علاقوں کے طلبہ کی اپنی علیحدہ انجمن ہوتی اور طلبہ اس میں بھرپور طریقے سے حصہ لیتے۔مختلف ناموں سے ہم اپنی انجمن کو موسوم کرتے۔ بالآخر انجمن اصلاح الکلام ہماری انجمن کا مستقل نام ٹھہرا۔جس میں ضلع مردان اور ضلع نوشہرہ اور ضلع پشاور (موجودہ صوابی مردان‘ چارسدہ‘ نوشہرہ اور پشاور کے اضلاع) کے طلبہ کی اکثریت ہوتی‘ چونکہ انہی اضلاع کے طلبہ اکثر جمعہ کی رات اپنے اپنے گاؤں کو جاتے۔(فاصلے کی قربت کی وجہ سے) تو ہماری انجمن شرکاء کی حاضری کے اعتبار سے بہت کمزور ہوتی۔اسی وجہ سے دوسری انجمنوں کے طلبہ ہمیں طعنے دیا کرتے تھے ہم ان کو کہتے کہ آپ لوگوں کی تو مجبوری ہے کیونکہ آپ دور دراز علاقوں سے آئے ہیں‘ اپنے علاقوں اور گاؤں کو نہیں جاسکتے اس لئے انجمن میں باقاعدہ شرکت کرتے ہیں۔تو یہ ساتھی انتہائی محنت اور کوشش سے تمام سال باقاعدگی سے اپنی انجمنوں کا انعقاد کراتے۔پھر سالانہ امتحان سے دو تین ہفتے پہلے یہ انجمنیں ختم کردی جاتی تھیں تاکہ امتحانات کے لئے تیاری کی جاسکے۔ایک سال ہم انجمن اصلاح

الکلام والوں نے خفیہ طور پر مشورہ کیا کہ اس سال ہم اپنی انجمن کا اختتامی اجلاس بہت دھوم دھام سے منعقد کریں گے کہ دیگر انجمن والے حیران رہ جائیں' اور ہر طرف ہماری انجمن اصلاح الکلام کا چرچا ہوگا۔ چنانچہ ہم نے سالانہ امتحان سے تقریباً ایک ماہ قبل اختتامی تقریب ے لئے وقت مقرر کیا۔ جو کہ جمعہ کی رات تھی۔ (کیونکہ یہ انجمنیں جمعہ کی رات کو منعقد ہوا کرتی تھیں) اور پراسرار طور پر اس کی تیاری شروع کی۔ فیصلہ یہ طے پایا کہ تین دن قبل اسکا اعلان کریں گے' چنانچہ ہم نے شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا حمد للہ جان صاحب مدظلہ آف ڈاگئی سے وقت لیا اور انہوں نے کمالِ شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب دو تین دن باقی رہ گئے تو ہم نے اشتہارات لکھے اور گردونواح میں پھیلائے۔ اکوڑہ خٹک کی تمام مسجدوں اور بازار میں اعلانات کرائے۔ جب ہمارے دیگر انجمن والوں کو معلوم ہوا تو وہ بہت سٹپٹائے کہ یہ کیا ہے' ہر طرف انجمن اصلاح الکلام کا نام ہے۔ چنانچہ اصلاح الکلام کا اجلاس عظیم الشان جلسہ کی شکل اختیار کرگیا۔ اور کئی دنوں تک اس کے تذکرے ہوتے رہے۔ اس انجمن اور اس کی سرگرمیوں اور آخری اجلاس کے انعقاد میں مرحوم نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ یہ واقعہ احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دنوں کی ایک جھلک کے طور پر سپرد قلم کیا۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن سب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہوگئیں (غالب)

ساتھ ہی جمعیت طلباء دارالعلوم حقانیہ کی انتخابی سرگرمیوں بھی بھرپور طریقے سے شرکت کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قابل رشک صحت اور جوانی سے نوازا تھا۔ شکل وشباہت میں بھی اپنے عظیم والد حضرت مفتی صاحب کے عکسِ جمیل تھے۔ راقم نے پہلے عرض کیا ہے کہ ہم دونوں اکثر کتابوں میں ہم درس رہے ہیں۔ البتہ بندہ کا سن فراغت ۱۹۷۸ء ہے اور آپ کا ۱۹۷۹ء۔ فراغت کے بعد ہم دونوں کو مادر علمی دارالعلوم حقانیہ نے آغوش شفقت میں لیا' اور محبت کی بانہیں ہمارے لئے پھیلائیں' راقم بھی دارالافتاء میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے فتاویٰ رجسٹر میں منتقل کیا کرتا تھا' اور آں مرحوم بھی' پھر آپ مستقل طور پر حضرت مفتی صاحب کے زیر سایہ اور زیر تربیت فتویٰ نویسی کا کام کرتے رہے' یوں حیات مستعار کے مہ وسال آور شب روز بخوشی گزرتے رہے۔

آپ فطرتاً خاموش کم گو اور تنہائی پسند انسان تھے' لیکن کبھی کبھی دوستوں اور احباب کی محفلوں میں پرلطف مزاح بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کا حلقہ احباب 'انتہائی محدود تھا' دارالعلوم حقانیہ میں تدریس وافتاء کے ساتھ ساتھ نوشہرہ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور اپنے اہل وعیال اور بچوں سمیت وہاں رہنے لگے۔ اور روزانہ نوشہرہ سے دارالعلوم تشریف لاتے۔ اس دوران پہلے آپ کو نظر کی شدید کمزوری کی شکایت ہونے لگی' پھر کچھ مدت بعد آپ کو کمر کی تکلیف نے جالیا۔ مسلسل علاج کراتے رہے لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق افاقہ کے بجائے مرض نے شدت اختیار کی۔ تا آنکہ آپ نے دارالعلوم کو آمدورفت میں تکلیف کی وجہ سے خیر باد کہا۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ گویا ان کی صحت اور جوانی کو نظر بد لگ گئی۔ وفات سے چند روز قبل ان کے ساتھ ملاقات ہوگئی تھی' کیونکہ ان کی صحت کی بگڑتی ہوئی تشویش ناک صورتحال کی پریشان کن خبریں آرہی تھیں۔ چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو بے اختیار رونا آیا کیونکہ آپ مکمل طور پر مفلوج تھے۔ پاؤں تو پہلے جواب دے چکے تھے۔ اب ہاتھوں نے بھی کام چھوڑ دیا تھا۔ اور بالکل انسان تصور بھی' نہیں کرسکتا تھا' کہ یہ حضرت مفتی صاحب کے وہی فرزند ہیں جن کی قابل رشک جوانی اور پرکشش وخوبصورت صحت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ مگر کل من علیھا فان کے خدائی قانون کے مطابق وقت موعود آپہنچا اور آپ نے مورخہ ۲۱/مئی ۲۰۰۵ء' ۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ بروز ہفتہ داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

الی اللہ اشکو لا الی الناس اننی ۔ اری الارض تبقی والاخلاء تذھب

بقول غالب — سب کہاں؟ کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

عارف جامیؒ فرماتے ہیں۔ — تو چہ دانی میوہ را تاثیر شیریں از کجاست
زانکہ درزیرز میں شیریں لبان خسپندہ اند

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اللھم اکرم نزلہ وبرد مضجعہ

نذر اشک بیقرار از من پذیر — گریہء بے اختیار از من پذیر

آخر میں اپنے مرحوم دوست کو چند بے قرار آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔

سوئے علییں رواں' جانب رضواں رشیدؒ — نورِ چشم محترم' ''مفتیٔ دوراں'' رشیدؒ
ہاتف غیبی نے آہ' دی صدائے دردناک — رفت ازدنیائے دوں' حافظ قرآن رشیدؒ
کس قدر پرغم ہے آج' مفتیٔ اعظم فرید — ہے رواں اف جانب' شہرخاموشاں رشیدؒ
آہ تیری موت پر ناگہانی فوت پر — ہرنفس ہے نوحہ زن' بادلِ گریاں رشیدؒ
مفتی و حافظ بھی تھے' بہترین واعظ بھی تھے — آسمانِ زہد پر' نیّر تاباں رشیدؒ
عکس و جسمِ اتقاء پیکر صدق و صفا — مستِ میثاق الست' فخر درویشاں رشیدؒ
صاحبِ نسبت بھی تھے' درطریق نقشبند — ساقی میخانہء' بادہ عرفاں رشیدؒ
اک ہجوم عارفاں' تھی جنازے میں شریک — شان سے رخصت ہوئے' مرحبا ذی شاں رشیدؒ
ہو دعا یہ فانیؔ' عاجز و بیدل قبول — حشرتک ہو ہمدمِ رحمتِ یزداں رشیدؒ

آگئی تاریخ سال' دل پہ فانی غیب سے
<u>یاد مغفور الحمید</u>' صاحب ایمان رشیدؒ

۱۴۲۶ ھ

جناب پروفیسر رشید احمد انگوی

مولانا سمیع الحق کا ''جرم'' واضح ہے

وطن عزیز کے نمائندہ پارلیمانی وفد کے ساتھ یوروپی یونین کی جانب سے بدتمیزی اختیار کرنے کے حوالہ سے مولانا سمیع الحق قومی و بین الاقوامی سطح کی میڈیا کا اہم موضوع بن چکے ہیں۔ اوران کی وجہ سے ''دہشت گردی کے خلاف مصروف جہاد'' ہماری ہیئت حاکمہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے' حالانکہ قومی سطح پر مولانا نے ایم ایم اے کے ساتھ جوطرز عمل اپنایا وہ کئی گوشوں میں قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہوگا۔ لیکن ان کا نا قابل معافی ''جرم'' یہ ہے کہ وہ اسی قافلہ علماء اسلام کے ایک اہم فرد ہیں جس کے رہبروں میں ان کے والد ذی مجد وشرف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ شامل ہیں۔ اور یہ وہی سلسلۃ الذھب (سنہری زنجیر) ہے جس کی ایک ایک کڑی سے فرنگی سامراج باخبر ہے کہ ۱۸ اویں' ۱۹ اویں صدی میں برصغیر پراس کے پہلے استعماری دور میں دین اسلام کے ان سرفروشوں نے ہی ظالم و جارح اور غاصب سامراج کے سامنے سرتسلیم خم کرنے سے انکار کردیا تھا (اور آج بھی ان کا رویہ وہی ہے) ۔مزے کی بات یہ ہے کہ آج یہی یوروپی سامراجی لوگ ''حقوق انسانی'' اور ''مساوایت'' کے چیمپین بھی بنے بیٹھے ہیں۔

دراصل علمائے کرام کے حوالہ کچھ ایسے ''جرائم'' ہیں جوکل کے اور آج کے مغربی (برطانوی' یوروپی' امریکی) سامراج کوایک آنکھ نہیں بھاتے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ علمائے کرام اپنی گردنوں کے گرد ''نیکٹائی'' نہیں باندھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ عیسائی کی گردن کا پہناوا ہے کیونکہ اس کے پس منظر میں اس کا عقیدہ ہے جبکہ مسلمان کی گردن پر باندھے جانے کا کوئی اخلاقی' تہذیبی' تاریخی' قانونی جواز نہیں۔ یہ اہل مغرب کے ''عالمی سامراج'' کے نتیجے میں ان کی مذہبی روایت اور شعار کو عام کرنے کا نتیجہ ہے اور مسلمان کو عیسائیت کی جانب لباس کے کلچر کے ذریعے مائل کرنے کا عمل ہے۔ جو چیز تثلیث کے مبلغ مغرب کی ترجیح ہے یہ علمائے کرام اس کورد کرتے ہیں تو ظاہر ہے انہیں سامراج کے ہاں عزت کیسے مل سکتی ہے۔ انکی دوسری خرابی یہ ہے کہ ان کے قلب اور ذہن ''مغرب کی ثقافت'' کو سینے سے لگانے کیلئے تیار نہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ علماء چاہتے ہیں کہ عورتوں کے جسم ''مستور'' رہیں۔ (یہیں سے لفظ مستورات بنا ہے) نہ وہ سر کے دوپٹے سے آزادی حاصل کریں نہ وہ نیکروں میں سڑکوں پر گھومیں پھریں دوڑیں وغیرہ۔ جبکہ مغربی سامراج عورت کو لباس کے بوجھ سے آزاد کردینا چاہتا ہے۔ اس طرح مغرب کی ترجیحات اول' ان علماء کی نگاہ میں

(شریعت اسلامی کی تعلیمات کی بناء پر) مردود قرار پائی ہیں۔تو ایسے افراد کیلئے جارح قوتوں کے پاس برداشت او رعزت کے مرتبے کہاں مل سکتے ہیں۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ علمائے کرام اپنے مدارس میں اصلاً ''عربی زبان'' پرمبنی دینی نصابی کتب کی تعلیم دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی وغیرہ کے ماخذ عربی ہی سے وابستہ ہیں اور اسکے بعد فارسی اور اردو زبانوں کا وسیع لٹریچر ہے۔جبکہ مغربی سامراج مسلمانوں کے ملکوں سے اس طرز فکر وعمل کی جڑیں کاٹنے کے لئے گزشتہ دوصدیوں سے مصروف عمل ہے.جس کا ثبوت یہ ہے کہ مغربیت کے زیر اثر جاری سرکاری کالجوں میں ہر بچے بچی کے لئے انگریزی مضمون پڑھنا تو فرض عین (لازمی) ہے جبکہ عربی فارسی پڑھنے والے ڈھونڈے سے ہی ملتے ہیں۔اور حالیہ زمانے میں تو پہلی جماعت سے ''صرف انگریزی میڈیم'' کا فلسفہ ہر وزیر مشیر کا لازمی وظیفہ بن چکا ہے جسے ان کی زبان سے سن کر آئے دن میڈیا میں دیکھا سنا جاسکتا ہے۔تو مغربی سامراج نے اب تک کی جدوجہد میں ہمیں عربی اور فارسی سے مکمل طور پر کاٹ ڈالا جس کے نتیجے میں بدقسمتی سے بڑے سے بڑا افسر براہ راست قرآن وحدیث کے علم وفضل کے بحرِ بے کنار سے سوفیصد بے خبر اور لاتعلق ہو چکا ہے۔اور اب اردو کی تعلیمی دنیا سے بطور میڈیم ''رخصتی'' کا عمل سپر سانک جہاز سے زیادہ تیز رفتاری سے جاری ہے۔ایسے میں مغربی سامراج کے نئے دور کے عالمی امپیریلزم کے جارحانہ صلیبی سفر کی راہ میں رکاوٹ بننے والے علمائے اسلام کا کیا مقام ومرتبہ ہوسکتا ہے اور ان کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔یہ اظہر من الشمس حقیقت ہے(اس پس منظر میں برطانوی وزیر خارجہ کا پاکستان کے دینی مدارس میں بنفس نفیس پہنچنا آنے والے وقتوں کے لئے کئی خدشات کو جنم دے گیا)

چوتھی بات یہ کہ علمائے اسلام کے خلاف برطانوی زرخیز سامراجی ذہنوں کی کاوشوں سے برٹش امپیریلزم کے دور میں پیدا کی گئی خانہ ساز نبوت ایک مستقل سرگرم قوت ہے۔اسے سامراج نے یوں ہی نہیں جنم دیا تھا۔اس سے کم وبیش سوسوا سوسال سے زبردست خدمات لی جارہی ہیں۔ان علمائے کرام کے بارے میں، جن سے مولانا سمیع الحق صاحب کا تعلق ونسبت ہے، اس حوالہ سے کس سلوک کی توقع کی جاسکتی ہے۔یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے بڑے بڑے سیاسی وقومی مدبر اور ''اوپینیئن میکر'' مذکورہ ''فیکٹر'' کی برپا کردہ قیامتوں سے اپنی سادگی یا دیگر وجوہات کی بناپر کماحقہ باخبر نہیں ہیں۔صیہونیت کا یہ ''جنوبی ایشیاء ایڈیشن'' علماء کرام کی سرگرمیوں پر مستقل نظر رکھتا اور اپنے آقاؤں کو سفارشات جاری کرتا رہتا ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے معمولی سی کامن سینس کی ضرورت ہے مگر اسی صورت میں کہ اس طرف دھیان دیا جائے۔اسی مثال کو دیکھ لیجئے کہ کہیں زیر بحث مسئلہ کو'' طالبان اور دیگر اسلامی قوتوں کے مابین انتشار و افتراق پھیلانے کے لئے تو نہیں پیدا کیا گیا؟

پانچویں بات یہ ہے کہ مغربی جارح صلیبی قوتیں اکیسویں صدی کے شرمناک سامراجی رول کی ادائیگی کے

لئے طویل، گہری، عملی، علمی، فکری، ٹیکنیکی، تہذیبی تیاریوں کے ساتھ مشرق کی جانب روانہ ہوئی ہیں۔ انہیں عالم اسلام کے ہر ملک میں جمہوریت نافذ کرنی ہے "امن کی ندیاں" بہانی ہیں، دہشت گردی (جو فی الواقع ان کی ذات کے سوا شاید ہی کہیں موجود ہوں) کا قلع قمع کرنا اور جڑ کاٹنی ہے، ان مقاصد کے حصول کے لئے وہ زبردست جوش وخروش، نئے جذبوں، نئے ولولوں، نئے نعروں، نئے فلسفوں، نئے ایجنڈوں، نئے ایجنٹوں، نئے لشکروں کے ساتھ صلیب کے نام پر پوری سج دھج سے حملہ آور ہوئے ہیں (اصل مقصد صرف اور صرف اسلام) کی شمع ہدایت کو بزعم خود بجھا دینا ہے جس کو قرآن کی آیت یوں ٹھکرا دیتی ہے کہ: یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں جب کہ اللہ نے اس نور کو مکمل فرمانا ہی فرمانا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناپسند ہو)

اپنے مقاصد کے حصول کے لئے لاکھوں مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کی خوں ریزیاں کرنا، گھر بار اجاڑنا، عزت وحرمت پامال کرنا، تہذیب وتمدن کے آثار مٹانا، آزادیوں کو غلامیوں میں بدلنا ان کا وہ کھلا منشور وطرز عمل ہے جو افغانستان کے کوہساروں سے لے کر عراق کے ریگستانوں، عجائب گھروں، کوفہ و کربلا کی مسجدوں کے میناروں، فلوجہ کے بازاروں گلیوں کوچوں، ابوغریب کے قید خانوں تک یوں پھیلا ہوا ہے کہ عقل کے ہر اندھے تک کو دکھائی دے رہا ہے۔ (بقول کسے: مغربی تہذیب کا نقطہ عروج فلوجہ اور ابوغریب ہیں) ایسے میں علمائے کرام کو باعزت دیکھنے کی گنجائش کہاں تک ممکن ہے۔ مولانا سمیع الحق کا قصہ تو بعد کی بات ہے، وہاں تو مغربی فضاؤں کے پروردہ مگر دامن اسلام سے وابستگی اختیار کرنے والے یوسف اسلام کو واشنگٹن کی فضاؤں میں سانس لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مغربی سامراج کے یہ علامتی مظاہر حقائق کی غمازی کر رہے ہیں۔ دنیا بھر کے تمام مسلمان ممالک کے علماء کرام سامراج کے ان اشاروں کو سمجھیں اور پورے عالم اسلام کو سپین بنانے کے عزائم کی راہ میں شایان شان "مزاحمتی وفاتحانہ کردار ادا کریں۔ اقتداروں سے کیا توقع رکھنا، وہ تو اپنے ذاتی مفادات اور خاندانی وقاروں کے محافظ ہیں اور بس۔ امت مسلمہ پر ہونے والی ننگی عالمی جارحیت کا درد محسوس کرنا سب سے زیادہ علمائے اسلام کے ہاں ممکن ہے۔ اور اس کا اندازہ وہ اظہار مغربی افعال سے ہو رہا ہے۔ جاہلیت جدیدہ اسلحہ کی بے پناہ قوت کے ساتھ "تعلیم وتہذیب" کے میدان سے عالم اسلام پر حملہ آور ہے اور اسی میدان میں اس کا توڑ کرنا ہوگا۔ بالخصوص دینی تعلیم کا دفاع اور ترویج انتہائی ضروری ہے۔

یہ سب کچھ ایسے لمحے میں ہو رہا ہے کہ عزت مآب آنجہانی پوپ جان اپنی شاندار کارکردگی برائے عیسائیت کا باب مکمل کر کے رخصت ہو گئے مگر اپنی "روشن تاریخ" کے شانہ بشانہ یہ "ناکامی" بھی تاریخ کے سپرد کر گئے کہ وہ اپنے مذہب سے وابستہ جارحانہ جنگوئی پر کمربستہ بش وٹونی بلئیر کو مسلمانوں کی خون ریزیوں سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے، حالانکہ انہوں نے بارہا امن کی آواز بلند کی۔ نئے عالمی عیسائی رہبر کے ایجنڈے پر اپنے ہم مذہبوں کی ظالمانہ خون ریزیوں کو روکنے کا مسئلہ شامل ہو سکے تو امت مسلمہ شکر گزار ہو گی۔

ضبط وترتیب: حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی

استاذ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دارالعلوم حقانیہ انجمن تعلیم القرآن (شعبہ عربی) کے اولین مدرس
حضرت مولانا قاضی حبیب الرحمان رحمۃ اللہ علیہ
فاضل دارالعلوم دیوبند

تقسیم ہند سے قبل مادر علمی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی اولین شکل مدرسہ انجمن تعلیم القرآن کی تھی (جو آج کل تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول کی شکل میں موجود ہے)۔ دادا جان شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ دارالعلوم دیوبند سے فراغت پانے کے بعد جب وطن واپس لوٹے تو قدیم طرز کے مطابق اپنے گھر کے متصل مسجد میں دینی تعلیم کی تدریس (حلقہ درس کی شکل میں) شروع کردی۔ اور مختلف علوم وفنون کی چھوٹی بڑی اہم کتابوں کی تدریس فرماتے تھے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے اکوڑہ خٹک کے چند بیدار مغز لوگوں کے باہمی مشورہ سے ۱۹۳۷ء میں مولانا عبدالحقؒ نے ''انجمن تعلیم القرآن'' سکول کی بنیاد ڈالی۔ جہاں پرائمری سکول میں رائج کتب کے علاوہ بچوں کے لئے ناظرہ قرآن مجید، عقائد، اسلامی معلومات، نماز پنجگانہ، جنازہ اور عیدین باترجمہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ بعض قرآنی سورتیں حفظ کرائی جاتی تھیں۔ ۹ رمئی ۱۹۳۸ء کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جب صوبہ سرحد تشریف لائے تو انہوں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی دعوت پر مدرسہ تعلیم القرآن اکوڑہ خٹک کا معائنہ بھی فرمایا۔ اس مدرسہ کے متعلق آپ نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر فرمائی تھی۔

''میں اپنی خوش قسمتی سے ماہ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ میں اس مدرسہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں حاضر ہوا۔ اگرچہ اس مدرسہ کو جاری ہوئے ابھی ایک برس کا عرصہ نہیں ہوا مگر ظاہری احوال اور ترقیات امید افزا ہیں بحمد اللہ بچے بھی بکثرت ہیں اور مدرسین کرام کی قربانی اور ایثار بھی اطمینان بخش ہے میں اہل اکوڑہ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس مدرسہ کے جاری رہنے اور روز افزون ترقی کرنے میں ہر قسم کی امداد فرمادیں۔ وہ ہر طرح تمام اہل قصبہ کیلئے دین ودنیا کا ذخیرہ ہے۔ نیز میں امید کرتا ہوں کہ اہل قصبہ اپنے اپنے بچوں کو ضرور بالضرور یہاں کی تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔''

بعدازاں جب مولانا عبدالحقؒ اکابرین دیوبند کی خواہش پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تو آپؒ کے بعد درس نظامی کا سلسلہ رُک گیا۔ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کیلئے مدرسہ ''انجمن تعلیم القرآن'' کے جماعت چہارم سے فارغ

التحصیل طلباء کیلئے اس کے ساتھ ملحق ''شعبہ عربی'' کا اجراء کیا گیا جس میں طلباء کو ابتدائی دینی کتب کافیہ تک پڑھائے جانے کا انتظام ہوا۔ اس شعبہ عربی کا یا بالفاظ دیگر منظم مدرسہ دارالعلوم حقانیہ کا اولین مدرس گاؤں کا نوجوان فاضل دیوبند حضرت مولانا قاضی حبیب الرحمٰن مقرر ہوئے۔ جنہوں نے درس وتدریس کا یہ سلسلہ یہاں پر ۱۹۵۰ء تک جاری رکھا۔ بعد میں آپ جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک اور پھر دارالعلوم سرحد میں مصروف درس وتدریس رہے۔ اس ابتدائی شعبہ کے اولین شاگردوں میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ مدظلہ، حضرت مولانا قاضی انوار الدین بھی شامل تھے۔

موصوف گزشتہ ماہ ۱۰ رجمادی الاول ۱۴۲۶ھ بروز ہفتہ مطابق ۱۸ رجون ۲۰۰۵ء کو اس دارفانی سے ۹۲ برس کی عمر میں کوچ کر گئے۔ داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

وفات سے ایک ماہ قبل آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ جس کے سبب صاحب فراش ہوئے۔ آپ نہایت کم گو، متقی، درویش منش، قناعت پسند اور نام ونمود سے کوسوں دور بھاگنے والی شخصیت کے حامل انسان تھے۔ اس بڑھاپے کے عالم میں اشاعت قرآن وسنت اور درس وتدریس، علوم وفنون میں تندرست وتوانا انسانوں سے بڑھ چڑھ کر مشغول ومنہمک رہے۔

ناچیز (حافظ محمد عرفان الحق حقانی) نے کچھ عرصہ قبل دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کرام کی تاریخ مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں اساتذہ کے سوانحی احوال جمع کرنے کیلئے ایک سوالنامہ مرتب کیا جو قاضی صاحبؒ کی خدمت میں بھی بھیجا گیا اس سوالنامہ کو مدنظر رکھ کر انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح حیات اس طرح لکھی۔

نام: حبیب الرحمان ولدیت: قاضی شریف الدین، خاندانی پس منظر: نسب کے لحاظ سے والد کی طرف سے میرا تعلق حسینی سادات سے ہے ہمارے اسلاف دین اور علم دین کی اشاعت اور خدمت کی خاطر مدینہ منورہ سے نکل کر بلخ بخارا پہنچے اور وہاں سے فرغانہ آئے اور جب ظہیرالدین بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو ہمارے اسلاف جو اس وقت منصب قضاء پر فائز تھے ان کے ساتھ افغانستان اور پھر وہاں سے متحدہ ہندوستان آئے۔ اور یہاں مختلف ادوار میں مختلف ریاستوں میں قاضی رہے۔ شجرہ نسب: (قاضی) حبیب الرحمٰن ولد قاضی شریف الدین ابن قاضی حافظ وسیع الدین ابن قاضی نسیم الدین ابن قاضی کرم ابن قاضی جیو۔ قومیت: سادات، سکونت: اکوڑہ خٹک، پیدائش: ۱۳۳۳ھ بروز عیدالاضحیٰ بمطابق اکتوبر ۱۹۱۴ء، ابتدائی تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر والد صاحب سے ناظرہ قرآن اور نظم کی چند کتابیں 'کریما' 'بوستان' 'گلستان' پڑھیں۔ پھر قرآن شریف حفظ کرنے کے لئے اپنے چچا (قاضی مطیع الدین) کے پاس ہوتی (مردان) چلا گیا۔ تقریباً ڈھائی تین سال وہاں رہا۔ قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد ابتدائی کتابیں صرف نحو کی بھی اپنے چچا سے پڑھیں۔ پھر چند ماہ زیارت کا کا صاحب میں قاضی عبدالسلام مرحوم کے پاس رہا۔ اکوڑہ خٹک میں

حاجی عبدالقیوم صاحب مرحوم سے بھی کچھ استفادہ کیا۔ پھر والد صاحب نے مدرسہ رفیع الاسلام بھانہ ماڑی پشاور میں داخل کردیا۔ وہاں پر چار سال تک رہا۔ نورالانوار، شرح جامی، قطبی، شرح وقایہ تک کتابیں وہاں پڑھیں۔ وہاں کے مشہور اساتذہ میں مولانا سید محمد ایوب شاہ صاحبؒ (جو علاقہ چھچھ گاؤں موسی کے تھے)۔ مولانا صاحب حق عبدالواحدؒ گڑھی کپورہ، مولانا نقیب احمد صاحبؒ ساکن اوچ (محشی گلستان وغیرہ) مدرسہ رفیع الاسلام کے زمانہ تعلیم میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بھی کنز الدقائق میں غالباً چند اسباق پڑھے ہیں۔ اس دوران چند دن غورغشتو گیا تھا۔ جلالیہ کے مشہور نحوی جو مولانا اظہار الحق کے والد تھے۔ اس سے کافیہ کے چند اسباق پڑھے پھر مدرسہ رفیع الاسلام چلا آیا۔ اعلیٰ تعلیم: اس کے بعد شوال ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند گیا۔ وہاں سات سال رہا تمام علوم حدیث، تفسیر، فقہ، ادب، منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔ فراغت: ۱۳۵۸ھ دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی۔ بیعت و ارشاد: حضرت مولانا مدنیؒ سے غائبانہ بیعت کی پھر بعد میں حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ سے کی۔ درس و تدریس اور وعظ و خطابت: فراغت کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام گڑھی کپورہ میں تدریس کی خدمت چند ماہ انجام دی۔ پھر متحدہ ہندوستان کا لکا ضلع انبالہ چلا گیا جہاں میرے والد صاحب جامع مسجد میں امام اور خطیب تھے۔ وہاں سے پھر سولن میں جس سے شملہ تقریباً پچاس میل دور ہے۔ تقریباً ۹ ماہ ایک مسجد میں امام اور خطیب رہے۔ اس ریاست میں صرف یہ ایک ہی مسجد تھی، سولن سے پھر وطن آیا۔ یہاں انجمن تعلیم القرآن کے ارکین نے کہا کہ تم کہیں مت جاؤ۔ ہم یہاں درس نظامی شروع کراتے ہیں۔ چنانچہ شعبہ درس نظامی قائم ہوا۔ یہاں مولوی شیر علی شاہ'' قاضی انوار الدین، محمد علی شاہ وغیرہ اکوڑہ کے طلبہ نے علم کی ابتدا کی۔ نیز مولوی سمیع الحق صاحب نے بھی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا اور دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۵۰ء تک میں یہی رہا۔ ۵۰ء میں شیخ الحدیث مولانا بادشاہ گل صاحب کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں تین سال تک تدریس کی۔ پھر ۱۹۵۴ء میں سکول چلا گیا۔ عربی پوسٹ پر مارچ ۱۹۷۹ء تک سکول میں رہا۔ اپریل ۱۹۷۹ء سے ریٹائر ہوا۔ اگست ۱۹۷۹ء میں دارالعلوم سرحد چلا گیا۔ ابھی تک وہاں درس نظامی اور افتاء کے کام میں مشغول ہوں اور مولانا غلام صمدانیؒ بھانہ ماڑی کی مسجد میں امامت اور خطابت ہے۔ موجودہ زیر تدریس کتب: مسلم شریف، مشکوٰۃ جلد ثانی، ہدایہ آخر، جلالین شریف اور کتاب الآثار اور اسکے علاوہ افتاء کا کام میرے ذمہ ہے۔ سفر حج بیت اللہ: ۱۹۹۵ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ دیگر اسفار: صد سالہ جشن دارالعلوم دیوبند میں شرکت کیلئے ۱۹۸۰ء میں ہندوستان کا سفر کیا۔ اولاد: رشید احمد، حسین احمد، محمود حسن، محمد طیب، محمد عبداللہ۔ مشاہیر اساتذہ: مولانا مدنی قدس سرہ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا شیخ الادب محمد اعزاز علی، مولانا عبدالسمیع دیوبندی، مولانا ظہور احمد دیوبندی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا عبدالحق نافع گل کاکاخیل، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا مفتی ریاض الدین استاد مفتی کفایت اللہ، علامہ شبیر احمد عثمانی سے ترجمہ قرآن شریف (چند دن)، مولانا

قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا گل محمد صاحب رحمہم اللہ (استاد سراجی جو دفتر میں کام کیا کرتے تھے) حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نے ختم بخاری شریف کے بعد سب تلامذہ کو اپنی اسناد الاجازة المسندة لسائر الکتب والفنون المتداولة بھی عطا فرمائی ۔ صد سالہ جشن دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے دستار فضیلت ہمارے سر پر رکھا۔ مشاہیر تلامذہ: مولوی سمیع الحق صاحب، مولوی شیر علی شاہ صاحب، مولوی قاضی انوار الدین صاحب، مولوی مظفر شاہؒ جو پشاور چوک یادگار کی مسجد میں امام تھے۔ مفتی شہاب الدین پشاور مسجد قاسم علی خان۔

قاضی صاحب کی تقرری اور مدرسہ ''انجمن تعلیم القرآن'' کے نصاب تعلیم سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا دیوبند سے ۱۹۴۴ء میں اراکین مدرسہ کے نام ایک تاریخی خط

ذیل کا خط ناچیز کو قاضی حبیب الرحمٰن صاحب سے ملا۔

بخدمت فیضدرجت عالیجناب نائب صدر صاحب ورکن اعلیٰ جناب ملک رحیم گل صاحب و جملہ اراکین انجمن دامت فیوضھم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بزرگوارانم کا مبارک نوازشنامہ مشتمل بہ مفصل کیفیت امتحان دینیات مدرسہ تعلیم القرآن ۴۴/۲/۸ کو موصول ہوا۔ واقعی آپ خوش قسمت ہیں کہ اس خوشی کا مبارک نظارہ اپنے انکھوں سے دیکھا اپنے عمل کا ثمرہ دیکھ کر آپ کے قلب کو کس قدر سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچا ہوگا بندہ کے سامنے اس نظارہ کا نقشہ ہے گرامی نامہ کو بار بار پڑھتا ہوں قلب کو ہر بار کے مطالعہ سے نیا خط پہونچتا ہے۔ مبارک ہو جناب کو۔ اس عمل کا عوض ان شاء اللہ آخرۃ میں ملیگا وہ بہت ہی زیادہ ہوگا مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ،سب سے زیادہ خوشی اس پر ہے کہ آپ نے اکابرین اکوڑہ کو دعوت دیٰ اس سے بہت زیادہ فوائد ہونگے ان شاء اللہ۔ اب موقعہ ہے کہ اپنے نصب العین کی طرف قدم اٹھایا جاوے مولانا حافظ حبیب الرحمٰن صاحب تقرر برمحل ہے۔ چونکہ ہمارے مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد اول سے اس بناء پر رکھی گئی ہے کہ ہمارا نصاب وہی ہو جو دارالعلوم دیوبند کا ہے۔ اگرچہ نصاب تعلیم کا مسئلہ آج ہندوستان میں اشکل المسائل ہے مگر تاہم ہمیں ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی کیا ضرورۃ ہے جو طریقہ نصاب دارالعلوم دیوبند میں مروج ہے فی الحال اسی طریقہ پر تعلیم دی جانی چاہئے آئندہ اگر موقعہ کے مناسب ترمیم کی ضرورۃ ہو کر لینگے کیونکہ ہندوستان کے مدبر سوچ رہے ہیں کہ درس نظامی کا بہتر طریقہ جو زمانہ حال کے ضرورتوں کے مطابق ہو اور دھریت کے زھریلے جراثیم کو مٹا دینی والی ہو کیا ہونا چاہئے اسکے متعلق جس بہتر فیصلہ پر وہ پہونچ جائیں اس وقت ان شاء اللہ ہم اسی نصاب کو رائج کر دینگے مروجہ نصاب تعلیم کا نقشہ ارسال خدمت ہے اور ساتھ ہی ایک قلمی نقشہ بھی ہے دونوں جناب ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیدیئے جائیں قلمی نقشہ نصاب میں وطن کی مروجہ کتابیں بھی داخل کی گئی ہیں طرز تعلیم بھی ساتھ ہے ان دونوں کو سامنے رکھ کر مولانا حافظ حبیب الرحمٰن صاحب و

جناب ہیڈ ماسٹر صاحب طالب علموں کے استعداد کے موافق اور وطن کے رجحانات کے مطابق انتخاب فرما کر پڑھاتے رہیں اگر دونوں نصابوں کے بعض کتابوں کو یعنی مختلط طریقہ پر جسمیں بعض کتابیں ایک نقشہ کی اور ساتھ ہی دوسری کتابیں دوسرے نقشہ کی پڑھائی جائیں تب بھی بہتر ہے مثلاً نصاب مروجہ دارالعلوم میں زرّادی، مراح نہیں ہے مگر ہمارے وطن کے طلباء کو اسکے پڑھنے کا اصرار ہوتا ہے تو خیر اسے ہی پڑھا دیا جاوے۔ مدرس کی حیثیت ممتحن کی ہے جس استعداد کا طالب علم ہو اسی استعداد کے مطابق دونوں نقشوں کے کتابوں میں سے سال اول میں پڑھا دے مثلاً نقشہ نصاب تعلیم مروجہ دارالعلوم میں سال اول میں منیۃ المصلی نہیں ہے مگر نقشہ قلمی میں موجود ہے اور وطن میں زیادہ رجحان اسکے طرف ہے تو سال اول میں اسے بھی شروع کرا دیا جاوے۔ الغرض یہ دونوں نقشہ نصاب دارالعلوم ہیں۔ ایک قدیم ایک جدید اگر موجودہ پرائمری حصہ کے جماعتوں میں تاریخ اسلام جو کہ مروج ہے دارالعلوم میں اسے داخل درس کر دیا جاوے تو بہتر ہوگا۔ تاریخ اسلام مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی کی تصنیف سوال جواب کے شکل میں بچوں کی طبیعت کے موافق ہے۔

نقشہ متعلقہ حصہ پرائمری دارالعلوم دیوبند ارسال خدمت ہے جناب ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیدیا جاوے ان نقشوں کو دقایہ پر چسپاں کر دیا جاوے۔ جناب ملک صاحب کا تار وعنایت نامہ دنوں موصول ہو چکے ہیں انکے اس بندہ نوازی ذرہ پروری کا از حد ممنون ہوں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عنایت فرمادے کل انکے خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر چکا ہوں۔ جناب بزرگوارم ہیڈ ماسٹر صاحب کا مکتوب گرامی موصول ہو چکا یادآوری کا از حد مشکور ہوں جناب برادرم قاضی صاحب عبدالودود، جناب ماسٹر غلام جیلانی صاحب ومولانا حبیب الرحمٰن ومولوی غلام محمد ومولوی عبدالغفور صاحب کو تسلیمات عرض ہو۔ معزز ارا کین خصوصاً ملک امرالٰہی صاحب وسید نور بادشاہ صاحب وخزانچی صاحب وسکرٹری صاحب کو تحیہ سلام پیش ہو۔ عریضہ ارسال کرنے میں ایک دن کی تاخیر ہوئی مگر نصابوں کو جمع کرنے میں یہ وقت گزرا ہے مکمل نصاب تعلیم کو پیش کیا تا کہ علی وجہ البصیرۃ مدرسین کرام اپنے نصاب اور دیوبند کے نصاب میں فرق معلوم کریں۔ آج جناب قاضی صاحب عبدالودود کا گرامی نامہ بھی موصول ہوا وزیر تعلیم کی تشریف آوری اور انکے استقبال میں جلسہ کی کامیابی سے مطلع ہو کر از حد خوشنودی حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ مدرسہ تعلیم القرآن کو ترقی دے اور اساتذہ کرام کے اس سعی بلیغ کو مزید بار آور فرما کر دنیا و آخرۃ کی خوشنودیاں عطا فرمادے۔ اللھم زد فزد. جناب قاضی عبدالودود صاحب کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نوزائیدہ کو عمر نوح عطا فرما کر عالم باعمل کر دے۔

آپ کا خادم عبدالحق بقلم خود از دیوبند

مدرس جدید دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

۱۴/۲ ۶۳ھ مطابق ۹/۲/۴۴ء

دارالافتاء

مولانا مفتی مختار اللہ حقانی
مفتی واستاذ شعبہ تخصص فی الفقہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ

مقبوضہ آباد شدہ شاملات کا حکم

س: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام قرآن وسنت کی روشنی میں کہ ہمارے گاؤں جہانگیرہ کے بعض اراضی شاملات (موات) کو گاؤں کے بعض باشندہ گان نے زراعت اور گھر وغیرہ کی صورت میں آباد کر کے اس پر مالکانہ قبضہ جمائے رکھا ہے۔اور تقریباً نسلوں سے یہ آباد کاران اراضی پر قابض ہیں حکومت وقت کے مجاز افسیران نے بھی ان اراضی کو کاغذات مال میں ان قابضین کے نام کیا ہے۔بعض آباد کار قابضین نے تو ان اراضی میں خرید وفروخت بھی کی ہے۔اب گاؤں کے چند افراد نے تقریباً سوا ایک سو بیس سال بعد ان قابضین پر دعویٰ کیا ہے کہ ان کا یہ قبضہ درست نہیں۔ان سے یہ اراضی واپس لے کر ۱۸۷۰ء میں جہانگیرہ گاؤں کے اصل باشندگان میں تقسیم کیا جائے اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ (۱) کیا ان آباد کاروں کا قبضہ اور ان کا مذکورہ اراضی میں زراعت اور ان اراضی پر مالکانہ تصرف کرنا درست ہے یا نہیں۔(۲) کیا گاؤں کے ان چند افراد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سوا ایک سو بیس سال کا قبضہ ختم کرائیں جبکہ مذکورہ شاملات کو آباد کرنے والوں کا ان آبادی پر خطیر سرمایہ بھی خرچ ہو چکا ہے اور ان کی زندگیاں بھی ان اراضی کی تعمیر میں صرف ہو چکی ہیں اور حکومت وقت کے مجاز افسران نے یہ اراضی تعمیر کنندگان کے نام کاغذات مال میں درج بھی کی ہیں۔ والسلام

المستفتی نقیب احمد ولد پروفیسر عبید الرحمان
سکنہ جہانگیرہ ضلع صوابی تحصیل لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الجواب وباللہ التوفیق

زمانہ قدیم سے دو قسم کی راضی چلی آرہی ہیں ایک قسم کے اراضی کو ملکیتی اراضی کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی اراضی جو غیر آباد ہوا کرتی ہے' اس کو شاملات کہا جاتا ہے جسے عربی زبان میں موات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس قسم کی اراضی (شاملات) کے لئے شریعت مقدسہ نے متعدد نصوص میں یہ اصول بیان کئے ہیں' کہ اس قسم کی راضی اس وقت

تک کسی کی انفرادی ملک میں نہیں آسکتی جب تک کوئی شخص اس کو آباد نہ کرے اور جب کوئی شخص اس بنجر اور غیر آباد اراضی کو کاشت، مکان، دکان یا کسی اور ذریعہ معاش کی صورت میں آباد کرے تو اس تعمیر کے بعد وہ قطعہ اراضی اسی ہی کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہی شخص اس کا مالک بن جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: من احیاء ارضاً میتة فھی له ولیس لعرق ظالم حق (ابوداؤد ۲/۸۱ باب احیا الموات)
کہ جو شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرے وہ زمین اسی کی ہے اور دوسرے کی زمین میں ناحق طور پر آبادکاری کرنے والے کو کوئی حق حاصل نہیں۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ قال النبی ﷺ من أعمر ارضاً لیست لاحد فھو احق: قال عروہ قضی به عمر فی خلافته (بخاری بحوالہ اعلاء السنن ۱۸/۳) کہ جس نے کوئی ایسی زمین آباد کر دی جو کسی کی ذاتی ملکیت نہ تھی تو وہ اس اراضی کا حقدار ہے حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں اسی پر فیصلے کئے۔

اسی طرح حضرت عروہ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں: اشھد أن رسول الله ﷺ قضی ان الارض لله والعباد عباد الله ومن احیا مواتاً فھو احق بھا (ابوداؤد) کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے'' جو شخص کسی مردہ زمین کو آباد کرے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی قطعہ اراضی کے گرد کو اس خیال سے باڑھ لگایا یا پتھر لگا کر گھیر لیا کہ وہ اس کو آباد کرے گا تو تین سال تک اس کو اس زمین کی آبادکاری کا حق حاصل ہوگا اگرچہ وہ آباد کئے بغیر اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

احیاء موات کے بارے میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شاہی فرمان جاری کیا تھا کہ ان من احیا ارضاً میتة ببنیان او حرث واحیوا بعضاً وترکوا بعضا فأجز للقوم احیاء ھم الذی احیوا ببنیان او حرث (کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۹۱) ''جن لوگوں نے کسی مردہ زمین کو عادت بنا کر یا کھیتی باڑی کر کے آباد کیا...... یا کچھ حصہ کو آباد کیا اور کچھ حصے کو آباد نہ کیا تو ایسے لوگوں کی صرف اس آبادکاری کو تسلیم کرو (یعنی انہیں اس حصے کا مالک سمجھو) جو انہوں نے عمارت بنا کر یا کھیتی لگا کر آباد کیا ہو۔''

لہذا انہی نصوص کی بناء پر فقہاء اسلام نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص غیر آباد زمین (شاملات) کو آباد کرے گا تو وہ اسی کا مالک بن جائے گا۔ صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے ہاں غیر آباد اراضی کو صرف آباد کرنے سے وہ شخص اس اراضی کا مالک بن جاتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں غیر آباد اراضی کو آباد کرنے کے ساتھ ساتھ مالک بننے

کے لئے حاکم وقت یا مجاز افسر کی اجازت بھی ضروری ہے۔

کمافی الهندية والملک فی الموات يثبت بالاحياء باذن الامام عند ابی حنيفةؒ وعند ابی يوسفؒ ومحمدؒ يثبت بنفس الاحياء (الھندیہ ۵/۳۸۶)

اور علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے: اذا احی مسلم او ذمی ارضاً غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا لذمی ملكها ان اذن له الامام فی ذلک وقالا يملكها بلا اذنه هذا لو كان مسلماً فلو كان ذمياً شرط الاذن اتفاقاً (درمختار علی ھامش ردالمختار ۵/ ۲۷۷)

اگر چہ فقہاء احناف نے امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

كما قال العلامة ابن عابدينؒ: وقول الامام هو المختار ولذا قدّمه فی الخانية والملتقی كعادتهما وبه اخذ الطحاوی وعليه المتون (درالمختار ۵/ ۲۷۸)

تو چونکہ صورت مسئولہ میں دونوں طرح کی شرائط موجود ہیں (۱) ایک تو گاؤں کے بعض باشندگان نے اس غیر آباد اراضی کو آباد کیا ہے۔(۲) مجاز افسران نے آباد شدہ اراضی کو ان آباد کاروں کے نام بھی کیا ہے اس لئے ان شرائط کی موجودگی میں مذکورہ بالا تفصیل کی رو سے شرعاً یہ آباد کاران اراضی کے مالکان ہیں ان کو اس اراضی پر جملہ حقوق مالکان حاصل ہیں' گاؤں کے بعض افراد کا ان آباد کاروں پر دعویٰ کرنا کہ اس اراضی کو ان آباد کاروں سے واپس لے کر گاؤں کے باشندگان میں تقسیم کیا جائے صحیح نہیں اور ان کا یہ دعویٰ شرعاً بالکل غلط اور ناحق ہے۔

اس کے علاوہ صورت مسئولہ کے مطابق گاؤں کے ان بعض افراد کا یہ دعویٰ ایک اور وجہ سے بھی قابل سماعت نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دعویداران کا یہ دعویٰ ۱۰۰۔۱۲۰ سال بعد کا ہے حالانکہ شریعت مقدسہ نے سماع دعویٰ کے لئے زیادہ سے زیادہ ۳۶ سال کی تاخیر کی حد مقرر کی ہے۔اس لئے جو دعویٰ بلاعذر شرعی ۳۶ سال موخر ہو جائے۔تو اتنی تاخیر کے بعد شرعاً اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا اتنی مدت تاخیر اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی بہ دعویدار کا حق نہیں کما فی شرح المجلة ولا تسمع بعد مرور ست وثلاثين سنة ....ثم ادعیٰ متولی وقف انه من مستغلات وقفی فلا تسمع دعواه (شرح المجلة لرستم باز مادة ۱۶۶۱ ص۹۸۶) وفيه ايضاً لان ترک الدعویٰ زماناً مع التمكن من قيامها يدل علی عدم الحق ظاهراً (ص ۹۸۳) اور اتنی تاخیر کے بعد عدم سماعت کا حکم اتنا اٹل ہے کہ اگر کسی قاضی (جج) کو حاکم وقت بھی سماع دعویٰ کا حکم دے تب بھی قاضی اس دعویٰ کو نہیں سنے گا کمافی شرح المحلة واما اذا مضیٰ علی الدعوی ثلاثون سنة بلاعذر فلا تسمع وان امراء السلطان

بسماعھا۔ (شرح المجلۃ لرستم باز صفحہ نمبر ۹۸۳)

لہٰذا اس وجہ تاخیر کی بناء پر بھی ان مدعیان کا یہ دعویٰ قابل سماعت نہیں۔

هذا ما ظهر لی والله اعلم وعلمه اتم

موت میں معاون ادویات کے استعمال کا حکم

س: جناب مفتی صاحب! جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کسی ایسے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی اس مرض سے صحت یاب ہونے کی کوئی توقع نہیں ہوتی اور نہ وہ مرتا ہے بلکہ اس مرض کی وجہ سے ایک طرف تو خود وہ مریض بھی اذیت میں گرفتار ہوتا ہے تو دوسری طرف اوہ اپنے اہل خانہ پر بوجھ ہوتا ہے اور اس مریض کی وجہ سے ان کی زندگی اجیرن بن چکی ہوتی ہے' اب اگر کوئی ڈاکٹر یا کوئی دوسرا شخص صرف اس نیت سے اس کو کوئی ایسی دوا یا انجکشن لگادے کہ وہ مریض خود بھی جلد از جلد مر کر اس اذیت سے نجات پائے اور اس کے اہل خانہ بھی اس کی ذمہ داری سے عہدہ برہ ہوں کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے' جبکہ مریض کا مرنا ہی اس کے لئے اور اسکے اہل خانہ کے لئے' ظاہری طور پر بہتر ہے۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل جواب دیجئے۔　　والسلام　　المستفتی

ایم۔کریم' حیات آباد پشاور

....

بسم الله الرحمان الرحيم

الجواب وباللہ التوفیق

انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کا دین ہے' اس کا بلکہ انسان کی ملکیت میں تمام اشیاء کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے گویا انسان نہ اپنے مملوکہ مال کا حقیقی مالک ہے اور نہ اپنے نفس کا' تو جس طرح کسی انسان کے لئے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کے مملوکہ اشیاء کو کلی یا جزوی نقصان پہنچائے' تو اسی طرح اس کو اس بات کا بھی ہرگز کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ویسے یا کسی مصیبت اور کرب سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہلاک کرے یا اپنے کسی عضو کو نقصان پہنچائے' بلکہ اس کا جسم اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس کی حفاظت اس انسان پر لازمی فریضہ ہے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا طریقہ اختیار کرنا خود بھی اس کے ناجائز ہونے کے ثبوت دیتا ہے اور رسول

اللہ ﷺ نے بھی اس طرح کے اقدام پر سخت وعیدیں فرمائی ہے چنانچہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے پہاڑ سے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو ہلاک کیا تو دوزخ میں بھی وہ شخص اپنے آپ کو اسی طرح ہلاک کرتا رہے گا اور جس نے کسی کسی تیز دھار آلہ سے خودکشی کر لی تو دوزخ میں بھی اسی طرح اپنے اوپر وار کرتا رہے گا (بحوالہ جدید فقہی مسائل)

اسی طرح حضرت جندب بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ تم سے پہلے اقوام میں ایک شخص زخمی تھا وہ اس شدت تکلیف سے خوف زدہ ہوا پھر اس نے چھری لے کر اپنے ہاتھ کو کاٹ ڈالا اور خون نہ روک سکا۔ یہاں تک کہ اس کو موت آئی' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے اپنے معاملہ میں میرے ہی فیصلہ کی کوشش کی ہے (بحوالہ جدید فقہی مسائل) اور خود دورِ رسالت ﷺ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص کسی غزوہ میں بڑی بہادری سے جنگ کر رہا تھا جس کو دیکھ کر صحابہ کرام داد دے رہے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جہنمی ہے کچھ دیر بعد اس شخص نے زخموں کی تاب نہ لا کر اپنی تلوار سے خود کو ہلاک کر دیا اسی طرح بے صبری اور عجلت نے شہادت کو خودکشی میں تبدیل کر دیا اور جہنم کا مستحق ہو گیا (صحیح مسلم بحوالہ اسلامی آداب زندگی ص ۶۱)

کسی مصیبت کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا تو دور کی بات ہے مصیبت' مرض وغیرہ کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا بھی شریعت میں گناہ ہے۔ عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فان کان لابد فاعلاً فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیاۃ خیراً لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیراً لی (مشکوٰۃ ۱/۱۴۵ باب تمنی الموت)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی تم میں سے کسی مصیبت جو اس پر نازل ہوئی ہو کی وجہ سے موت کی تمنی نہ کرو اور اگر بہت ہی ضروری ہو تو یہ کہے کہ اے اللہ جب تک میری حیاۃ میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب موت میرے لئے بہتر ہو تو مجھے موت عطا فرما۔ بلکہ حضرت انسؓ سے دوسری روایت ہے:

ان النبی ﷺ قال لا یتمنین احدکم الموت لضر نزل بہ فاما محسناً فعسی أن یزداد واما مسیئاً فعسی ان یتوب (بحوالہ فتاویٰ معاصرہ ۱/۷۴۷) کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس ضرر (تکلیف) کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے جو اس پر نازل ہوا ہے اسلئے کہ اگر یہ شخص نیک ہو تو ہو سکتا ہے کہ اور بھی نیکی کرے اور اگر وہ گنہگار ہو تو ہو سکتا ہے کہ توبہ کرے۔

لہٰذا انہی تصریحات کی وجہ سے فقہاء کرام نے اس علاج سے بھی منع فرمایا ہے جس میں صحتیابی کا امکان نہ ہو اور اس علاج سے اس کی موت یقینی ہو۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری (ہندیہ) میں ہے: فی الجراحات

المخوفة والفروح العظيمة والحصاة الواقعة في المثانة ونحوها ان قيل قد ينجو وقد يموت او ينجو ولا يموت يعالج وان قيل لا ينجوا اصلاً لا يداوى بل يترك (الفتاویٰ الھندیۃ ۱۱۴/) سنگین اور کاری زخموں اور مثانہ میں ہونے والی پتھریوں اور اس کے مثل میں اگر اطباء کی رائے ہو کہ ممکن ہے بچ جائے اور ممکن ہے مرجائے یا یہ کہ بچ جائے گا مرے گا نہیں تو ان آلات جارحہ کے ذریعہ علاج کیا جائے گا اور اگر کہا گیا کہ صحت کی کوئی امید نہیں تو پھر ایسا علاج نہیں کرایا جائے گا بلکہ چھوڑ دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس قسم کے اقدام میں ایکطرف تو خودکشی کا عمل ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں سے مایوسی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا حرام ہے۔ اس لئے بظاہر کسی لاعلاج مرض میں مبتلا شخص کو اس کی اجازت سے یا ورثاء کے کہنے پر تا کہ اس کو موت آ کر وہ اس کرب و مصیبت سے نجات پائے اور دوسرے افراد بھی اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے ناجائز اور حرام ہے۔ اس طرح کرنے سے مریض اور اس کے اہل خاندان کے ساتھ ساتھ معالج بھی اس قتل نفس کے جرم میں برابر کے شریک ہوگا۔ اور اس طرح کے عمل (موت میں مددگار ادویات کے استعمال) کو آپریشن اور علاجاً کسی اندام کے کاٹنے یا تراش وخراش اور اسکے قطع برید پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں اس لئے کہ جسم کے کسی متاثر عضو کے کاٹنے یا تراش وخراش سے مقصود جسم کے دوسرے اعضاء کو اس کے مضر اثرات سے محفوظ کرنا ہوتا ہے اور چونکہ اس اندام کے باقی رکھنے میں اس کی جان کو بھی خطرہ ہوتا ہے اسلئے اسکی جان بچانا مقصود ہوتا ہے فقہ کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما الخ کہ جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے اس کو چاہیے کہ وہ اھون (کم) کو اختیار کرے' چونکہ جان کا چلا جانا بڑی مصیبت ہے اور کسی متاثر اندام کا کٹ جانا اس سے کم مصیبت ہے۔ اسلئے شریعت مقدسہ نے اس کو ضرورتاً جائز قرار دیا ہے۔ اسکے علاوہ اس قطع و برید میں جسمانی مصلحت مقصود ہوتا ہے۔ اس کی مثال احادیث مبارکہ میں موجود ہے' چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر ایک مسلمان مجاہد معاذ بن عفراءؓ کا ہاتھ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کے وار سے اس طرح کٹ گیا کہ صرف چمڑا (تسمہ) رہ گیا تھا اور ہڈی لٹک رہی تھی۔ چونکہ دشمن کا مقابلہ کرنے میں اس کو دشواری پیش آ رہی تھی اس لئے اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر الگ کر دیا اور دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ آپؓ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ رہے۔ (سیرت مصطفیٰ ۹۷/۲)

هذا ما ظهر والله اعلم وعلمه اتم

مختار اللہ حقانی

خادم دارالافتاء وشعبہ تخصص فی الفقہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اسامہ عبدالحکیم
ترجمہ: محی الدین غازی

یہودی سیاست اور نئے پوپ
کیا ویٹیکن کی زمام کار یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے؟

عیسائی ویٹیکن اور یہودیت کے درمیان تعلقات دو بڑے مرحلوں میں منقسم ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں یہودی ریاست کا قیام دونوں کے درمیان حد فاصل ہے۔ فریقین کے درمیان تعلقات قائم کرنے کی کوششیں بیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئیں۔ ۱۸۹۷ء میں سویزرلینڈ کے بیسل شہر میں عالمی یہودی کانفرنس کا اعلانیہ جاری ہوا۔ یہودی ریاست کے قیام کے منصوبے کے ضمن میں ٹیوڈ ہرٹزل (عالمی صہیونی تحریک کے بانی) نے ویٹیکن کا دورہ کیا اور پوپ پیوس دہم سے تخلیہ میں ملاقات کی۔ ۲۵ جنوری ۱۹۰۴ء کی اس خلوت میں اس نے پوپ سے فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے لئے حمایت چاہی۔ مگر پوپ نے اس درخواست کو بالکل رد کردیا اور اعلان کیا کہ یہودیوں نے چونکہ مسیح اور اس کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا ہے لہٰذا ویٹیکن یہودی قوم کو بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ قبل ازیں ویٹیکن کے وزیر خارجہ نے پوپ کو نصیحت کی تھی: ''چونکہ یہودی مسیح کی نبوت تسلیم نہیں کرتے اس لئے عیسائیوں کیلئے ممکن نہیں ہے کہ یہودیوں کی فلسطین واپسی پر آمادہ ہوں''۔

اس وقت کیتھولک عیسائیوں میں عام عقیدہ یہی تھا کہ اللہ نے یہود کو فلسطین کی سرزمین سے اس لئے نکال باہر کیا تھا کیونکہ وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے اور ان کے خیال کے مطابق انہیں صلیب پر لٹکانے میں شریک بھی تھے۔ (قرآن کا بیان ہے: نہ انہوں نے اسے صلیب پر لٹکایا نہ ہی قتل کرسکے بلکہ انہیں اشتباہ ہوگیا سورہ نساء ۱۵۷) مزید یہ کہ اللہ نے ان کے ہیکل کو برباد کیا، انہیں زمین میں دربدر کیا ان پر رسوائی مسلط کی ان کے اسی جرم کی وجہ سے۔

۱۹۱۷ء میں بلفور کے صہیونی ریاست کے قیام کے فیصلہ کن وعدے کے بعد ہی کارڈینل بٹرو گیسیاری نے اپنے اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے صاف کہا: ''ہم کو سب سے زیادہ جس بات سے ڈر ہے وہ فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام ہے''۔

اس کے بعد یہودیوں نے ویٹیکن کی دیوار پھاند کر اندر سے کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ ویٹیکن کے امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ کارڈینل جوزف سیری کے ۱۹۵۸ء میں پوپ بن جانے کے بعد ماسونی اور صہیونی طاقتوں نے مداخلت کی اور پوپ کے انتخاب کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اسے برطرف کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ مزید یہ اس میں

بھی کامیاب ہوگئیں کہ کارڈینل انگیلو روچلی کو جان لیتس (۲۳) کی حیثیت سے پوپ کی کرسی تک پہونچائیں۔ انہوں نے ہی پوپ پاویل چہارم کو بھی ویٹیکن کی گدی پر پہونچایا جسکا نسب یہودی خاندان مونٹینس سے ملتا تھا۔ پاویل چہارم کے دور میں ماسونیوں کا ویٹیکن پر عمل دخل اس قدر ہو گیا کہ انکی موافقت ہی سے کارڈینل کا تعین بھی ہوا کرتا تھا۔

پوپ پاویل ششم نے ۱۹۶۴ء میں مغربی کنارے کا دورہ کیا۔ یہودی حلقوں نے اسے اسرائیل کا دورہ قرار دیا۔ ۱۹۶۵ء کا سال ویٹیکن اور یہودیت کے بیچ تعلقات کی تاریخ کا اہم موڑ مانا جاتا ہے۔ اس سال ویٹیکن کی دوسری کانفرنس ہوئی۔ کانفرنس نے ایک دستاویز **Nostra Actate** یعنی ''عصر حاضر میں'' کے عنوان سے جاری کی۔ اس میں اس عہد مقدس کو دائمی قرار دیا گیا جو اللہ نے یہود سے کیا تھا۔ یہ بھی زور دیا گیا کہ عیسائی تہذیب سے دشمنی اللہ اور انسانیت دونوں کے حق میں مذہبی گناہ ہے۔ دستاویز نے یہودیوں کو مسیح کے قتل سے بھی بری کر دیا۔ دستاویز نے اس کی بھی صراحت کی کہ یہودیت اور کیتھولک چرچ کے درمیان تعلق بے مثال ہے بایں طور کہ مسیحت کی بنیادیں یہودیت میں ملتی ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں پولینڈ کے کارول جوزف ووگٹھیلا کو پوپ نوچنی کی اچانک موت کے بعد پوپ بنایا گیا انہیں یوحنا پال دوم کا نام دیا گیا۔

حال ہی میں فوت شدہ پوپ جان پال دوم کی زندگی سے دلچسپی رکھنے والوں میں الگ الگ رائے ہیں کہ وہ اصلاً یہودی تھے یا کیتھولک عیسائی۔ تاہم یہ کچھ بنیادی حقائق پر متفق ہیں۔ جیسے پوپ جان پال دوم کے قریبی رشتہ دار جو پولوکامسٹ سے بچ گئے بتاتے ہیں کہ ان کی ماں جو اس وقت مرگئی تھی جب وہ نو سال کے تھے یہودی تھی۔ اور یہ کہ اس کی وفات کے بعد ان کی پرورش یہودی پڑوسیوں کے یہاں ہوئی کیونکہ ان کے باپ فوجی تھے اور زیادہ وقت گھر سے دور گذارتے تھے۔ اسی طرح وہ (پوپ) فٹ بال کی ایک یہودی ٹیم کے رکن کھلاڑی تھے اور اپنے علاقے میں کیتھولک چرچ کی ٹیم کے خلاف کئی بار کھیل چکے تھے۔ پولینڈ کا ایک یہودی حاخام کیس کالڑ کا گیرزی کھوگیران کا قریبی دوست سمجھا جاتا ہے۔ پوپ کی تاج پوشی کی تقریب میں وہ عشائیہ کا مہمان خصوصی تھا۔ اور پوپ کی گرما کی رہائش گاہ جو گینڈ ولفو قلعہ میں تھی وہ وہاں مستقل ان سے آکر ملا کرتا تھا۔ گیرزی نے پوپ اور یہودی ریاست کے حکمران حلقہ کے درمیان تعلقات میں اہم رول ادا کیا۔ آخری بات یہ ہے کہ پوپ کے مشہور ترین سوانح نگار بھی یہودی ہی ہیں۔ اور وہ پوپ کی تعریف میں خوب فیاض بھی رہے۔ خواہ جان پال دوم یہودی رہے ہوں یا نہیں، تاہم انہوں نے یہود اور یہودی ریاست کے لئے وہ کچھ کیا جو ان کے تمام سابقین مل کر بھی نہیں کر سکے۔

۱۹۶۵ء میں ویٹیکن اکیڈمی نے جو دستاویز جاری کی تھی پوپ نے اس کو عملی پروگرام میں تبدیل کر دیا وہ سفر وحضر میں یہی کہتے رہے کہ یہود کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں ماضی کا صفحہ پلٹ کر نیا ورق کھولنا چاہئے۔ وہ مسیح کو صلیب پر لٹکانے کے سلسلے کی انجیل کی عبارت کو ظالمانہ تفسیر اور بے محل الزام گردانتے تھے۔

۱۹۶۵ء میں پوپ نے امریکی یہودیوں کے ایک وفد سے کہا ''وہ خوش ہیں کہ گزشتہ کچھ سالوں میں یہودی اور عیسائی تعلقات میں بنیادی بہتری آئی ہے''۔ ۱۳/اپریل ۱۹۸۶ء میں وہ جدید ادوار کے پہلے پوپ کی حیثیت سے یہودی کلیسہ میں داخل ہوئی۔ یہودی حاخام البونواف نے جوروم کا حاخام ہے اس دورے کو اس سال کا اہم ترین واقعہ قرار دے کر کہا کہ لوگ اسے مستقبل میں ہزاروں سال تک یاد کرتے رہیں گے۔

۲۹ جولائی ۱۹۹۲ء میں ایک اعلیٰ سطحی دو رکنی مستقل کمیٹی بنائی گئی تا کہ وہ دونوں مذاہب کے درمیان ڈپلومیٹک تعلقات قائم کرنے کے امکانات تلاش کرے۔ پوپ جان پال دوم کے ہی دور میں ویٹیکن اور اسرائیل کے درمیان تعلقات بحال ہوئے، یہ ۳۰ دسمبر ۱۹۹۳ء کی بات ہے، اور یہ ویٹیکن کے بیشتر پالیسی ساز افراد کی سفارش کے علی الرغم ہوا جنہوں نے ان تعلقات کے قیام کو رد کر دیا تھا۔ اس کے دو سال بعد پوپ نے یہودیت کے نمائندہ افراد سے تاریخ کے کسی بھی حصہ میں کیتھولک عیسائیوں کے ذریعہ زیادتی کے لئے معافی کی درخواست کی۔ اور ایسا دو بار کیا۔

۲۰۰۰ء میں پوپ نے مقبوضہ فلسطین کا دورہ کیا اس دوران صہیونی ریاست کے عہدے داران سے ملاقات کی۔ ہولوکوسٹ کے شکار افراد کے مجسموں کی زیارت کی اور مزعومہ دیوار گریہ جو دراصل دیوار براق ہے اسکی زیارت کی۔

اس سال کے آغاز میں بھی پوپ نے ۱۶۰ یہودی حاخاموں سے ملاقات کی اور ان سے وعدہ کیا کہ اس سال ویٹیکن اکیڈمی کی مذکورہ دستاویز کی چالیسویں سالگرہ منائی جائیگی۔ علاوہ ازیں اسرائیل کے بڑے حاخاموں سے بھی ملاقات کی۔ پوپ بین الاقوامی اسفار کے دوران ہر ملک کے سرکردہ یہودیوں سے ملاقات کا بھی اہتمام کرتے تھے

پوپ نے ویٹیکن کی ارستیف سے یہودی مخطوطات بھی روم کے یہودیوں کو لوٹا دیے اور انہیں کئی عمارتیں بھی دیں تا کہ اٹلی کی راجدھانی میں وہ یہودی میوزیم بنائیں۔

ایریل شیرون نے پوپ کو امن کا پیغام بر اور یہودیوں کا دوست قرار دیا اور اسرائیل کے حاخام میٹرلاو نے کہا کہ پوپ جان ۲۳ کے بعد وہ اسرائیل کے سب سے زیادہ کام آنے والے پوپ تھے۔

پوپ نے جو کچھ یہودیوں کے لئے کیا اس کے باوجود یہودیوں نے انہیں بالکل معاف نہیں کیا۔ اس کے کچھ اسباب تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران کچھ یہودی بچوں نے چرچوں میں پناہ لی وہاں انہیں عیسائی بنا لیا گیا۔ یہودیوں کے اصرار کے باوجود پوپ نے اس عمل کی مذمت نہیں کی۔ پوپ نے یہود کو وہ سنہری چابی بھی لوٹانے سے انکار کیا جس کے بارے میں یہود کا کہنا ہے کہ وہ معبد کی چابی ہے اور رومیوں نے اسے ڈھانے کے بعد وہ لے لی تھی۔ پوپ نے فلم (آلام مسیح) کی مذمت سے بھی انکار کیا جسے یہودی یہودیت کی دشمنی قرار دیتے ہیں۔

بلاشبہ نئے پوپ کے ایجنڈے میں یہ مواخذے بھی شامل ہوں گے۔ آنے والا وقت یہ بھی بتائے گا کہ نئے پوپ حسن کردار کی سند لینے کے لئے اس پر عمل کریں گے یا نہیں؟

جناب شفیق الدین فاروقی

دار العلوم کے شب و روز

وفاقی وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق کی دار العلوم آمد: گزشتہ دنوں وفاقی وزیر برائے مذہبی امور جناب اعجاز الحق صاحب دار العلوم تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کیساتھ ملک اور عالم اسلام کی سیاسی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا۔ بعد ازاں آپ دونوں حضرات نوشہرہ تشریف لے گئے اور وہاں پر قرآن کی بے حرمتی اور مندر کو نقصان پہنچانے کے سلسلے میں مختلف حضرات سے ملاقاتیں کی۔ اور اقلیتی فرقے کو انکے مندر کی دوبارہ تعمیر کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد نوشہرہ میں دریائے کابل میں طغیانی اور سیلابی پانی آنے کے باعث سیلاب زدگان میں امدادی اشیاء تقسیم کیں۔ اسی طرح مذکور الصدر ہر دو حضرات نے حالیہ بلدیاتی انتخابات کے متعلق بھی بات چیت کی۔

مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ کی ملتان روانگی ۳۰/ جون کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے عاملہ اجلاس میں شرکت کے لئے جامعہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ ملتان تشریف لے گئے۔ طویل ایجنڈے کے باعث وفاق کا یہ اجلاس صبح سے رات گئے تک جاری رہا۔ اجلاس میں سالانہ امتحانات نصاب کمیٹی کی رپورٹ، وفاق کے منع کرنے کے باوجود حکومت کے مختلف اداروں سے امداد لینے والے بعض مدارس اور بعض اہم امور کے سلسلے میں کئی فیصلے کئے گئے۔

دار العلوم کے ماہانہ جائزہ امتحانات: جامعہ دار العلوم حقانیہ کے موقوف علیہ تک تمام درجات کے ماہانہ ٹسٹ کے سلسلے میں ہفتہ کے روز بتاریخ ۱۶/ جولائی مذکورہ درجات کا تحریری امتحان ہوا۔ طلبہ کی کثرت کی وجہ سے تین مختلف مقامات کو امتحانی ہال بنا دیا گیا۔

مسلم لیگ کے مرکزی رہنما جناب سلیم سیف اللہ کی دار العلوم آمد: پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی اہم رہنما جناب سلیم سیف اللہ صاحب گزشتہ دنوں جامعہ دار العلوم حقانیہ تشریف لائے۔ انہوں نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ساتھ دوران ملاقات ملکی سیاسی اور بین الاقوامی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا اور آئندہ بلدیاتی انتخابات کے بارے میں بھی تفصیلی بات چیت کی۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے خاص عقیدت مند جناب احمد صاحب کی وفات: حضرت شیخ الحدیثؒ کے خاص عقیدت مند اور شیدائی جناب احمد صاحب المعروف بہ اللہ ولی گزشتہ دنوں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ قارئین الحق سے بھی مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

مدیر کے قلم سے

تعارف تبصرہ کتب

ماہنامہ ''الاحسن'' کراچی۔ مدیر مسئول: شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ

ناشر: جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی۔

آج کا دور پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے' رسائل و جرائد کی جتنی ضرورت آج محسوس کی جارہی ہے پہلے کبھی ایسی محسوس نہیں کی گئی تھی۔ بالخصوص دینی صحافت کے لئے رسائل و جرائد اور اس قسم کے مجلّات کا اجراء از حد ضروری ہوگیا ہے۔ اسی اہم ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ملک کی ممتاز علمی وعبقری شخصیت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد مفتی زرولی خان صاحب مدظلہ نے اپنے جامعہ احسن العلوم کراچی جس کا شمار ملک کے چند چیدہ اور چنیدہ جامعات میں ہوتا ہے سے ایک علمی تحقیقی ادبی اور اصلاحی ماہنامہ ''الاحسن'' کا اجراء کیا ہے جو کہ دینی صحافت میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ ہم اپنے معاصر جریدے کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور حضرت مولانا مدظلہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اس کے علمی وتحقیقی مقالات ومضامین سے قارئین وعلمی حلقے بھرپور استفادہ اٹھائیں گے۔

الحصن الاعظم اردو شرح الحزب الاعظیم۔ تحریج وتحقیق: ڈاکٹر ظفر نیاز

ضخامت: ۶۵۶ صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: مکتبہ العربیہ ۳۳/حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

ارشاد باری تعالی ہے وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے الدعاء مخ العبادۃ دعا عبادت کا مغز اور تقرب عنداللہ کا موثر ذریعہ ہے۔ دعا میں کمال عبدیت بھی ہے اور دنیا وآخرت کی فلاح ونجات بھی۔ یہی وجہ ہے کہ دعاؤں کے متعلق کئی کتابیں اور رسائل لکھی گئی ہیں اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ لیکن سب سے بہتر ماثورہ دعائیں ہیں۔ یعنی وہ دعائیں جو قرآن میں آئی ہیں یا حضورؐ سے منقول ہیں ان میں تین مجموعے مفید خاص و عام ہیں۔ حصن حصین الحزب الاعظم اور مناجات مقبول۔ پیش نظر کتاب الحزب الاعظم کی اردو شرح ہے الحزب الاعظم مشہور فقیہ اور محدث حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ المصابیح کے شارح مرقات المفاتیح کے مولف ہیں۔ الحزب الاعظم میں ماثورہ دعائیں جمع کی گئی ہیں۔ زیر نظر مجموعہ میں جناب ڈاکٹر ظفر نیاز صاحب نے ان ادعیہ ماثورہ کی معروف کتابوں سے تخریج کرکے ہر دعا کے ساتھ حوالہ دیا ہے۔ ترتیب وتحقیق کے ساتھ ساتھ ان کے فضائل بھی جمع کئے ہیں۔ جس سے کتاب انتہائی مستند اور جامع ہوگئی ہے جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے اس پر مقدمہ لکھا ہے اور نظر ثانی بھی کی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا شفیق الرحمان صاحب درخواستی کی تقریظ شرح کی ثقاہت کی دلیل ہے۔

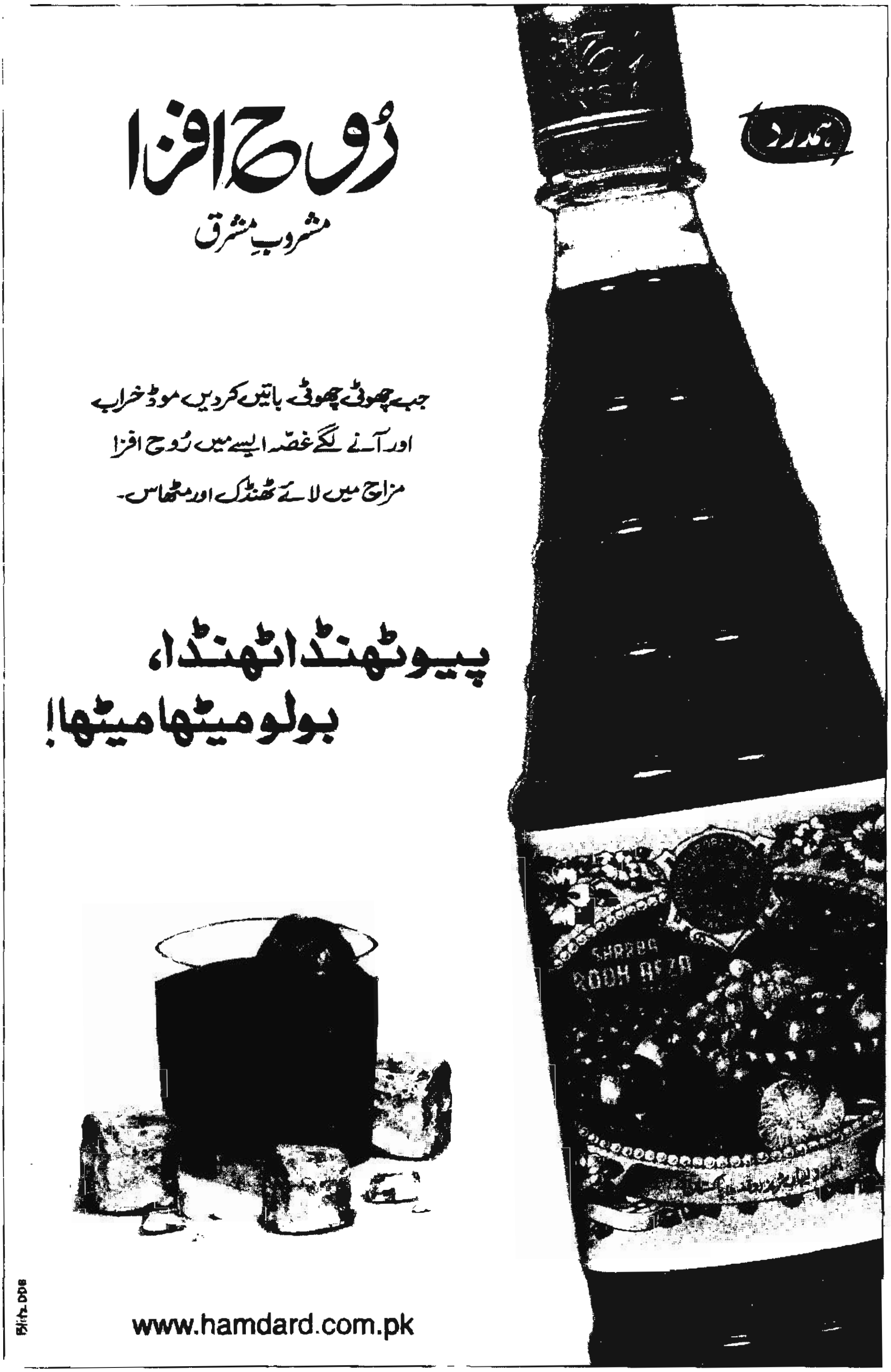

ہمدرد
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کردیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصّہ ایسے میں رُوح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
SHARBAT
ROOH AFZA
www.hamdard.com.pk
Blitz DDB

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمداللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک وبیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف سوا کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب واہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یو بی ایل اکوڑہ خٹک 7-01 نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5-17

مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6-1120

Email!: haqqania@nsr.pol.com.pk OR editor_alhaq@yahoo.com

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

مطبوعات مؤتمر المصنفین

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعوات حق ۔(مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات وعبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت وشہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۴۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	۔
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاویٰ حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث ومفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل وشرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	شرح شمائل ترمذی		" " " " "	زیر طبع
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	زیر طبع
۲۲	انوار حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ○ جامعہ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک